مَن یُّؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا

حکمتِ اسلامیہ

تصنیفِ منیف

حضرت محترم الحاج مولانا مولوی محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی القادری مدظلہ العالی

صدر شعبۂ دینیات کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

(حیدرآباد، دکن)

باہتمام الحاج مولوی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپی ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء

بار اول
۱۰۰۰ جلد
قیمت عہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

معروضہ

اِس زمانہ میں تصوف کا چرچا جس قدر زیادہ ہے تحقیق کا شوق اسی قدر کم ہے۔ حالانکہ اس کی بہت ضرورت ہے۔ وجہ یہ کہ حقائق کے مراتب اور معارف کے مقامات ہیں۔ ہر مرتبہ کا حکم جُدا ہے اور ہر مقام کی تعلیم الگ۔ مزید براں اولیاءِ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی اپنی تالیف و تصانیف میں ایک ہی مفہوم کے واسطے کبھی مختلف اصطلاحات برتے ہیں اور کبھی ایک ہی اصطلاح سے مختلف مفہوم مُراد لئے ہیں۔ اِس پر طرّہ یہ کہ بڑے بڑے مسائل میں فلسفہ اور علم کلام کے بھی ڈانڈے آملے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ناواقف شائقین سرسری مُطالعہ سے خواہ مخواہ بہت سے بے بنیاد اختلافات و معمات میں پھنس جاتے ہیں اور سرگرداں رہتے ہیں۔ منزل مقصود تک پہنچنا تو کجا راستہ چلنا بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ اکثر یہ مثل صادق آتی ہے ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

یوں تو ماشاء اللہ حقائق و معارف کی تشریح و توضیح میں اعلیٰ سے اعلیٰ تالیف و تصانیف موجود ہیں۔ لیکن ہر کسی کو ان کے پڑھنے سمجھنے کی مہلت اور قابلیت نہیں۔ حالات زمانہ کے مدِ نظر ایک سلیس خلاصہ کی ضرورت تھی کہ ناواقف لوگ عام مغالطوں سے خبردار ہوجائیں اور جہلِ مرکب سے محفوظ رہیں۔ مزید تحقیق کا شوق اور حوصلہ ہو تو میدان وسیع ہے۔ بس اللہ۔

علماءِ عظام اور اولیاءِ کرام کی شفقت و محبت اللہ تعالیٰ کے فضل کی تجلی ہے۔ ۱۹۱۹ء میں کلیہ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) جاری ہوا اور یہ ناچیز دارالترجمہ سرکارِ عالی سے اُدھر منتقل ہوا تو یہاں اللہ کی شان نظر آئی کہ دارالعلوم کی یادگار شعبۂ دینیات میں کیسے کیسے

عالم جمع ہیں اور ان میں کیسے کیسے عارف موجود ہیں۔ ایسی صحبت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ ناچیز نے اس کو بہت غنیمت سمجھا۔ یوں تو بفضلہ سب حضرات کی نظرِ عنایت رہی لیکن صدر شعبۂ دینیات حضرت مخدوم و محترم مولٰنا محمد عبد القدیر صدیقی القادری مدظلہ العالی کی شفقت و محبت میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی اور ناچیز کے خلوص کو بھی مقبول فرمایا کہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت محترم مدظلہ زیارت و حج کے لئے عراق، شام، فلسطین اور حجاز تشریف لے گئے تو سفر میں بھی اس ناچیز کو شرفِ رفاقت حاصل رہا اور سعادتِ خدمت نصیب ہوئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

اس ناچیز پر سب سے بڑھ کر فضل یہ ہوا کہ اسی دوران میں مرشدی و مولائی حضرت قبلہ مولٰنا شاہ محمد حسین چشتی القادری مدظلہ العالی اور حضرت محترم مدظلہ کے باہم اللہ تعالیٰ فی اخلاص و محبت کے ایسے روابط قایم کر دیئے کہ گویا للّٰہیت کے رشتہ سے بھائی بھائی ہیں۔ حال و قال میں یک دل و یک زبان ہیں۔ ہمیشہ جدائی میں یاد رکھتے ہیں۔ ذکرِ خیر کرتے ہیں۔ ملتے ہیں تو باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ یہ سماں دیکھ کر انما المؤمنون اخوۃ کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے سبحان اللہ وبحمدہ۔

حضرت محترم مدظلہ کی صحبتِ بابرکت میں ہمیشہ علمی فیضان جاری رہتا ہے۔ بڑے بڑے دقیق اور معرکۃ الآرا مسائل مختصر تقریر میں اس خوبی سے واضح ہوتے ہیں کہ گویا پہاڑ مٹھی میں آگیا اور دریا کوزہ میں بند ہو گیا۔ چنانچہ بہ نظر رفاہِ عام اس ناچیز نے عرض کیا کہ مباحث کی ایک مختصر یادداشت قلمبند ہو جائے تو حاضر و غائب قریب و بعید سب کو استفادہ ہو۔ خیر جاریہ کا سلسلہ پھیل جائے۔ اس معروضہ کو شرفِ قبول عطا ہوا اور بفضلہ یہ رسالہ مرتب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اسی طرح مفصل تصنیف بھی تیار ہو جائیگی اور شمعِ ہدایت بنے گی۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

الفقیر
محمد الیاس برنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علیٰ سیدنا محمد سید المرسلین و
علیٰ آلہ الطاہرین واصحابہ الطیبین ومتبعیہ الیٰ یوم الدین۔

اما بعد

فقیر محمد عبدالقدیر صدیقی قادری اہلِ دانش وارباب بینش کی عالی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اشیاء کی حقیقتوں کو جس طرح کہ وہ ہیں طاقت بشری کے موافق جاننا حکمت ہے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

اقسامِ حکماء ان حقایق کی تحقیق وتدقیق کرنے والے چار قسم کے ہیں (۱) صوفی (۲) اشراقی یا تھیوسوفسٹ (۳) متکلم (۴) مشائی یا فلاسفر۔

ان میں سے صوفی و اشراقی کشف ریاضتِ نفس اور قوتِ روحانی سے ادراکِ حقایق کرتے ہیں اور متکلم و مشائی کی تحقیقات کا مدار عقل پر رہتا ہے۔

نیز صوفی و متکلم نورِ نبوت سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور اشراقی و مشائی اپنے ذاتی کشف وعقل پر اعتماد کلی رکھتے ہیں۔

اِس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ:

صوفی وہ صاف دل، پاک روح، روشن سِر شخص ہے، جو قال میں حال میں قلادۂ اتباعِ نبوت سے ممتاز اور مسند نشینیٔ وراثتِ کشف و شہود سے سرفراز ہوتا ہے۔

اور متکلم وہ روشن عقل شخص ہے جو دلائل عقلیہ کی سپر سے اعدار دین و مذہب کے وار کو روکتا ہے اور براہینِ قاطعہ کی شمشیرِ خارا شگاف سے شبہات و شکوکِ دشمنانِ خدا و رسول کو چورنگ کرتا ہے۔

صوفی کا مقابلہ اشراقی سے ہے اور متکلم کا مشائی سے۔

صوفی و متکلم میں سے اگر کوئی قرآنِ مجید و حدیث شریف کے خلاف ایک لفظ بھی نکالے تو وہ حدودِ اسلام ہی سے خارج ہو جائیگا۔ پس صوفی اشراقی ہو جائیگا اور متکلم مشائی بن جائیگا۔

ہاں متکلّمین و صوفیین میں باہم کبھی کبھی کسی آیت یا حدیث کی تفسیر و تاویل میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ ایسا اختلاف تو خود متکلمین میں بھی ہوتا ہی رہتا ہے جس طرح ایک متکلم اپنے آپ کو معصوم نہیں سمجھتا، اسی طرح ایک صوفی بھی اپنے آپ کو معصوم نہیں سمجھ سکتا۔ غیر معصوم کی عقل و کشف دونوں غیر قطعی ہیں۔ لہذا صوفی و متکلم دونو میں سے کسی کو مقدور نہیں کہ کسی اصلِ دین یا ثابت بوحیِ الٰہی کا انکار کر سکے۔ کیونکہ یہ حقیقۃً تصدیق کا خلاف ہوگا۔ گویا کہ اُس نے محمدؐ رسول اللہ کا اقرار ہی نہیں کیا۔

واضح ہو کہ روزِ روشن میں آنکھ نہ آفتاب کو متحرک دیکھتی ہے۔ نہ سایۂ دیوار کو۔ مگر عقل سمجھتی ہے کہ آفتاب بھی متحرک ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ سایۂ دیوار بھی۔ جس طرح حس سے عقل کا مرتبہ اعلیٰ ہے اسی طرح عقل سے کشف و الہامِ ربّانی کا درجہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ صوفی اِن تمام مدارج کو طے کر لیتا ہے جن پر متکلم کی نظر ہے۔ لہذا صوفی کو متکلم ہونا ضرور ہے گو وہ چند اصطلاحات سے واقف نہ ہو اور متکلم کو صوفی ہونا ضروری نہیں قرآن

وحدیث کی تصدیق دونوں کو ہے۔ مگر متکلم کو صرف عقل سے اور صوفی کو عقل و کشف دونوں سے۔

اب میں ایک اور مسئلے پر آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ مجھے جہاں تک تجربہ ہے بالکل باطل مذہب چل ہی نہیں سکتا۔ کچھ نہ کچھ صحیح اصل رہتی ہے جس کی غلط فہمی سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔ میری رائے میں تکذیب کے عوض غلط فہمی دور کرنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ قائل کا طرز بیان ادیبانہ رہتا ہے اور سامع اس کو منطقی قواعد پر قایم کرنا چاہتا ہے۔ پس قائل کے قول کی تاویل کر لینے، مجازی معنے سے حقیقی معنے نکال لینے سے اختلاف دور ہو جاتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مقصد ہر ایک کا درست ہے، مگر دوسرے کے مقصد سے ناواقف۔ اکثر دوسروں کی تکذیب میں لوگوں کو لذت ملتی ہے۔ یہی خانہ خراب تمام فتنوں کی ماں ہے۔ ٹھنڈے دل سے سننے، دوسرے کی بات پر غور و فکر کرنے سے کوئی نہ کوئی سبیل نکل ہی آتی ہے۔ اسلام تمام مذاہب کی تصدیق کرنے، ان سے غلط فہمی دور کرنے کے لئے آیا ہے نہ کہ تکذیب کے لئے۔

ہمیشہ سے دین کی خدمت صوفیہ صافیہ ہی نے کی ہے اور اب بھی کچھ کر سکتے ہیں تو صوفی ہی کر سکتے ہیں۔ آج کل دنیا مادّہ پرستی سے دل تنگ ہو گئی ہے۔ صوفیوں کو چاہیئے کہ علماً و عملاً کچھ کام کر کے دکھائیں۔

فقیر نے برادرم مولوی حاجی محمد الیاس برنی صاحب فاروقی قادری کے تقاضے سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا ہے۔ آپ اس کو چاہیں تصوّف میں سمجھیں یا کلام و فلسفہ میں۔ مگر میں تو اس کتاب کا نام حکمتِ اسلامیہ رکھتا ہوں۔

خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے اس کتاب کو اور خود مجھ کو قبول فرمائے اور اپنے دوسرے بندوں کو بھی اس سے فائدہ بخشے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

شعبۂ دینیات کلیہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن
شوال المکرم سنہ ۱۳۴۷ھ

الفقیر
محمد عبدالقدیر صدیقی قادری

حکمتِ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری اصطلاحات

(۱) لفظ کو منہ سے کہتے ہیں، دل میں خیال کرتے ہیں کبھی لفظ کے نیچے معنے ہوتا ہے، جو لفظ سے سمجھا جاتا ہے۔ لفظ دال ہوتا ہے اور معنے مدلول۔ لفظ عنوان ہوتا ہے، اور معنے معنون، مواد، مقصد، مفہوم مثلاً "انسان" ایک لفظ ہے، دال ہے، عنوان ہے اور "حیوان ناطق" جو اس سے سمجھا جاتا ہے، اس کا معنے ہے، مدلول ہے، معنون ہے۔

معنے دار لفظ کو موضوع کہتے ہیں اور بے معنے کو مہمل۔ جیسے دیز کہ اس کے کچھ بھی معنے نہیں۔ لہذا لفظ دیز مہمل ہے، بے معنے ہے۔

(۲) کبھی لفظ کے ساتھ معنے اور معنے کے ساتھ اس کا مصداق ہوتا ہے۔ جو خارج میں پایا جاتا ہے، اور اسی پر لفظ و معنے صادق آتے ہیں جیسے انسان کے مصداق زید و عمرو بکر ہیں۔ پس مصداق وہ خارجی شے ہے جس پر لفظ صادق آتا ہے۔

(۳) بعض دفعہ لفظ کے معنے تو ہوتے ہیں مگر خارج میں اُس کا مصداق نہیں ہوتا جیسے عنقا یا شریک الباری کہ ان کا مصداق خارج میں موجود نہیں۔

پس جس لفظ و معنے کا مصداق ہے، وہ موجود ہے اور جس کا مصداق نہیں، وہ معدوم ہے۔

کبھی لفظ کو عنوان اور معنے کو معنون اور کبھی معنے یا صورتِ علمی یا تصورِ ذہنی کو عنوان اور مصداق کو اس کا معنون کہتے ہیں۔

وجود کے تین معنے ہیں (۱) ما بہ الموجودیۃ (۲) کون وحصول (۳) ظہور

ما بہ الموجودیۃ وہ خارجی شے ہے جس کو دیکھ کر ہونے کے معنے سمجھے جاتے ہیں

کون یا حصول۔ ہونے کے معنے جو ما بہ الموجودیۃ کو دیکھ کر سمجھے جاتے ہیں۔

غرض کہ خارج میں ما بہ الموجودیۃ پایا جاتا ہے۔ خارج سے ذہن میں صورت آتی ہے۔

عقل (حس کا کام ملانا جدا کرنا، خلط و تعریہ، وصل و فصل، تحلیل و ترکیب ہے) اس کی تحلیل کرتی ہے اور شے کو جدا اور وجود کو جدا کرتی ہے۔ مثلاً زید کو ہم دیکھتے ہیں عقل میں "زید" کو الگ اور "ہے" کو الگ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں زید ہے۔

پس زید ما بہ الموجودیۃ ہے اور زید کو جو ہے کہتے ہیں۔ یہ کون وحصول ہے۔

پس کون وہ انتزاعی، مصدری۔ سمجھے جانے والے معنے ہیں جو ذہن میں رہتے ہیں

ظہور یعنی کسی سابق موجود شے کا عالم یا مقام میں ہونا۔

مثلاً زید کو پیدا ہوئے کئی سال ہوئے۔ پس پیدا ہوتے ہی اس کا ما بہ الموجودیۃ موجود ہو گیا۔ اس مرتبے کو مرتبۂ تقرر بھی کہتے ہیں اور وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اس سے وجود کو انتزاع کریں اور اس کو موجود سمجھیں۔ موجود سمجھے جانے کے مرتبے کو مرتبۂ وجود یا کون وحصول کہتے ہیں اور عالم شہادت یعنی دنیا یا گھر یا دالان میں کوئی آیا ہو تو اسکو اس لحاظ سے کہتے ہیں اس کا ظہور ہوا یا عالم شہادت وغیرہ میں ہے۔

بہر حال وجود یعنے ما بہ الموجودیۃ خارج میں ہوتا ہے اور وہ کون وحصول کا مبدء، منشاء، منتزع عنہ، اصل حقیقت، یا ذات ہوتی ہے۔ کیونکہ کون وحصول ایک امر انتزاعی، علمی یا مفہوم ہے۔ جو بذاتہ خارج میں موجود نہیں۔ بلکہ اس کا ما بہ الموجودیۃ خارج میں ہوتا ہے۔

اس مقام پر چند اور امور قابل بیان ہیں۔ جن کے نہ سمجھنے سے بڑے بڑے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔

ذات۔ مرجع صفت کو کہتے ہیں یعنی موصوف اور متصف کو ذات کہتے ہیں۔

صفت۔ وہ غیر مستقل شے جو کسی مستقل شے سے متعلق ہو۔

اسم۔ ذات و صفت کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

پس قدرت صفت ہے۔ اللہ اس کی ذات یا موصوف ہے۔ قدیر اسم ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے صفتِ قدرت سے موصوف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح رحم یا رحمانیة یا رحیمیة، ذاتِ حق ان کی ذات یا مسمیٰ اور رحمٰن یا رحیم اسم الٰہی ہے۔

یہیں سے معلوم ہو گیا۔ کہ اسمِ الٰہی عین مسمیٰ ہے۔ اس کے معنے یہی ہیں کہ رحیم، رحمٰن۔ قدیر۔ سب کی ایک ہی ذات ایک ہی منشا ہے۔ جو ذاتِ حقہ و عین واجبہ و ہویۃ الٰہیہ ہے۔

اب میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ موصوف۔ ذات اور صفت انضمامی صفتِ انتزاعی اور جھوٹ میں کیا فرق ہے۔

ذات۔ ایک مستقل، قایم بخود، حقیقی شے ہے۔

صفت انضمامی۔ وہ صفت، وہ غیر مستقل شے جو ایک مستقل شے سے وابستہ اور اس سے قایم ہو کر موجود ہو۔ خود علیحدہ موجود نہ ہو سکے۔ صفتِ انضمامی کے لئے خارج میں مستقل نہ سہی کمزور سا وجود ضرور مانا جاتا ہے۔

صفتِ انتزاعی وہ صفت جو خارج میں خود تو موجود نہیں رہتی۔ مگر خارج میں اس کا موصوف یا منشاء اس طرح واقع ہوتا ہے کہ اس سے صفتِ انتزاعی سمجھی جا سکتی ہے۔ انتزاع کی جا سکتی ہے۔

کذب۔ جھوٹ کو واقع، خارج، نفس الامر سے کوئی علاقہ، کوئی ربط، کوئی تعلق نہیں رہتا۔

مثلاً ایک شامی ہمارے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ ایک واقعہ، خارج، نفس الامر، محکی عنہ ہے جس سے ایک ذات معلوم ہوئی۔ گورا رنگ معلوم ہوا جو صفت انضمامی ہے، بیٹھا ہوا ہونا معلوم ہوا جو صفت انتزاعی ہے۔ اس بیٹھے رہنے کے وقت کوئی اس کو کھڑا کہے یا گورے کو کالا کہے یا شامی کو غیر موجود کہے تو یہ کذب، جھوٹ، خلاف واقع، غیر نفس الامری، بیان، خبر، حکایت ہے۔

صفت انتزاعی کا منشا منتزع عنہ ہوتا ہے جو اس کے نفس الامری ہونے، صدق اور واقعیت کی حفاظت کرتا ہے۔ بخلاف کذب کے کہ اس کا کوئی منشا، منتزع عنہ نہیں ہوتا۔

انضمامی کے لئے بہ نسبت انتزاعی کے وجود خارجی سے زیادہ حصہ ہے۔

ذات۔ جوہر، موصوف، متصف وہ مستقل امر ہے جو کسی سے وابستہ ہو کر کسی سے قایم ہو کر موجود نہیں ہوتا بلکہ بذات خود قایم رہتا ہے اور دوسرے غیر مستقل معانی اس سے قایم رہتے ہیں۔

ممکنات مخلوقات میں سے جوہر کو مستقل۔ عرض کو غیر مستقل کہیں یا جوہر کو قایم بالذات اور عرض کو قایم بالغیر یا جوہر کو حقیقی اور اعراض کو غیر حقیقی کہیں تو اس سے کبھی یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جوہر کو واجب جل مجدہ کے مقابل وجود بالذات ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ نہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اعراض کا موجود ماننا، غلط، خلاف واقع، غیر نفس الامری ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں وہمی، اعتباری، فرضی، غیر حقیقی، بالعرض، کذب، خلاف واقع کو آیندہ کسی اور مقام میں بہ تفصیل بیان کرونگا۔

وجود حقیقی کو۔ وجود بالذات، واجب لاتعین، مطلق غیب، مطلق وحدت

لابشرط شے بھی کہتے ہیں۔

وجود حقیقی یا وجود بمعنے ما بہ الموجودیۃ یعنی وہ شے جس کی وجہ سے جس کو دیکھ کر ہم چیز کو ہے سمجھتے ہیں نفس الامر۔ واقع میں ہے۔ اگر کوئی بغیر واقعیت کے اشیاء کو موجود سمجھتا ہو۔ اس کے خیال میں دُنیا نرا خیال ہو۔ بے سروپا وہمی ڈھکوسلا ہو۔ تو اس مذہب کے شخص کو آگ سے جلانا چاہیئے۔ اپنے واقعی ہونے کا۔ نفس الامری ہونے کا اقرار کرے تو بہتر۔ ورنہ خس کم جہاں پاک۔ حقیقۃً وہ شخص خبطی و جنونی ہے۔ کیونکہ اس کا ذہن وہمی واقعی اور وہمی اختراعی میں فرق نہیں کرسکتا۔ وہمی واقعی اور وہمی اختراعی کی بحث آیندہ بتفصیل بیان کرونگا۔

وجود بمعنی ما بہ الموجودات یا وجود حقیقی کے مقابل کیا شے ہے۔ صرف عدم محض سلب بسیط۔ نیستی بحت۔ بھلا عدم محض کیونکر موجود ہو سکتا ہے۔ اگر عدم محض موجود ہو تو انقلاب ماہیت اور اجتماع نقیضین لازم آئیگا۔

وجود حقیقی بذاتہ موجود ہوگا۔ یا اُس کو کوئی دوسرا موجود کریگا۔ یا وہ کسی دوسری شے سے منتزع ہوگا۔ اگر وجود حقیقی کو کوئی دوسرا موجود کرے یا دوسری شے سے وجود حقیقی منتزع ہو تو وہ دوسری شے ہی وجود حقیقی ہوگی اور یہ وجود وجود بالغیر اور وجود بالعرض اور وجود غیر حقیقی ہو جائیگا۔ اور یہ خلاف فرض یا اجتماعِ نقیضین ہے۔ کیا وجود حقیقی سے پہلے عدم یا بعد عدم ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ورنہ انقلاب حقائق لازم آئیگا دوسرے وجودات کس سے رونما ہیں۔ وجود حقیقی سے ما بہ الموجودیۃ سے۔

بتاؤ جو شے اصل ہو۔ حقیقی وجود ہو۔ بالذات موجود ہو۔ ازلی و ابدی ہو۔ جس کے ساحت عزت تک عدم کو قدم نہیں۔ تمام موجودات کا مرجع و مآب وہی ہو۔ وہ ہے کیا۔ لاریب واجب الوجود ہے۔ منبع الجود ہے۔ حق معبود ہے۔

ممکنات، جائزات، مخلوقات کا وجود کیا ان کے عین ذات میں ہے؟ یا ان کے

منتزع عنہ ہوتا ہے۔

چونکہ ممکن عدمی و انتزاعی شے ہے اور واجب موجودِ حقیقی ہے۔ وجود اس کے لئے عین ذات ہے۔ لہذا یہ قول صحیح ہوا۔ الحق محسوس والخلق معقول۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وجود عین ذات واجب بھی ہو اور پھر ممکن کو وجودِ حقیقی سے حصہ بھی ملے۔ غرض کہ جب تک خدا سمجھ میں نہ آئیگا۔ بندہ ہرگز سمجھ میں نہ آئیگا۔ پس ایک عجیب معنے نکلے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے۔

اور دیکھو۔ مخلوقات و ممکنات۔ عدم سے رونما ہونے کے معنے نکلے۔ ممکنات وجود کے کنز مخفی سے نمایاں ہوئے۔ سبحان اللہ نظر وجود پر ہے اور عدم سمجھا جاتا ہے۔ پس جب ہم واجب کو وجود محض سمجھینگے تو ہم اپنے آپ کو ضرور عدم محض سمجھینگے۔

مراتب داخلیہ وخارجیہ

وجود یا موجود کے دو اعتبارات ہیں۔ مرتبۂ داخلیہ یہ مرتبہ کُن فیکون سے مقدم ہے۔ لہذا یہاں مخلوقات کو دخل نہیں اور نہ یہاں متعدد ذوات موجود فی الخارج مانے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ مرتبہ خلق کا وجود بالعرض کا۔ اور بعد کن ہے۔

مراتب داخلیہ میں جو کثرت معلوم ہوتی ہے وہ علم و اعتبار میں ہے یا یوں کہو کہ وہ ذات حق کے اعتبار ہیں۔ مگر ذات ایک ہی ہے۔ واحد ہے۔

احدیت

احدیت کو ہاہوت۔ ہو۔ شان تنزیہ، غیب مطلق، بشرط لاشے۔ بشرط لا کثرت۔ انانیت حقہ۔ ہویۃ حقہ بھی کہتے ہیں۔

احدیت ذات کا ایک مرتبہ ہے جو وہم وگمان سے پاک ہے۔ کثرت کو اس شان میں گنجائش نہیں۔ بالکل قیود سے آزاد ذات ہے۔

احدیت میں ذاتی علم، نور، وجود، شہود ضرور ہوتا ہے۔ اس مرتبے میں حق تعالیٰ خود ہی علم ہے، خود ہی عالم ہے، خود ہی معلوم ہے۔ مگر اس مرتبے میں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا

کیونکہ یہاں کسی قسم کے تعدد اور اعتبار غیریت کو دخل نہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل علم کے بیان میں آئیگی۔

وحدت

وحدت کو حقیقت محمدی، بشرط شے بالقوہ۔ بشرط کثرت بالقوہ۔ عماء۔ بعض لوگ اس کو نفس رحمانی بھی کہتے ہیں۔

وحدت ذاتِ حق کا ایک مرتبہ ہے جس میں قابلیتِ کثرت ہے۔ مگر ہنوز کثرت موجود نہیں بالفعل نہیں۔ ان قابلیات کثرت کو شیون ذاتیہ کہتے ہیں۔

واحدیت

واحدیت کو بشرط شے بالفعل۔ بشرط کثرت بالفعل بھی کہتے ہیں۔ واحدیت ذاتِ الٰہی کا ایک مرتبہ ہے جس میں بالفعل کثرت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہاں کثرت سے مراد اسماء و صفات و معلوماتِ الٰہیہ کی کثرت ہے۔

واضح ہو کہ کسی شے سے کوئی قید لگائی جائے تو تین اعتبار پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) بشرط لا شے یا شے مطلق قید سے پاک (۲) بشرط شے۔ شے مقید۔ قید کے ساتھ (۳) لا بشرط شے یا مطلق شے۔ قید بے قید دونوں سے عام۔ پس لا بشرط شے کی دو صورتیں ہوئیں۔ بشرط لا شے۔ بشرط شے۔ اس مثال پر غور کرو۔ بچہ، برہنہ بچہ، کپڑے پہنا بچہ۔ گویا بچہ لا بشرط شے ہے۔ برہنہ بچہ بشرط لا شے ہے۔ کپڑے پہنا بچہ بشرط شے کی مثال ہے۔

پس وجود میں تین اعتبار ہیں وحدت مطلقہ لا بشرط شے۔ سب سے عام احدیت بشرط لا شے۔ قیود و اعتبارات سے پاک۔ اب رہ گیا بشرط شے اس میں دو صورتیں ہیں بشرط کثرت بالقوہ وحدت اور بشرط کثرت بالفعل واحدیت ان تینوں چاروں اصطلاحات میں تمیز نہ کرنے سے بہت گڑبڑ ہوتی ہے۔

ایک بات یاد رکھو۔ مجمل سے مفصل۔ وحدت سے کثرت۔ باطن سے ظاہر کی طرف ظہور ہوتا ہے

یہ بات بھی یاد رکھو کہ تعین دو قسم کا ہوتا ہے۔ تعینِ ذاتی۔ تعین باعتبار اسماء و صفات کی۔ تعین ذاتی ہر حال میں باقی رہتا ہے اور تعین اسماء صفات بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً زید پہلے بچہ تھا پھر جوان ہوا پھر ادھیڑ ہوا۔ پھر بوڑھا ہوا، تو بچپن، جوانی، کہولت (ادھیڑپن) شیخوخت

(بوڑھاپا) زید کے صفاتی تعین ہیں جو بدلتے رہتے ہیں اور زید کا ذاتی تعین یعنی زیدیت جوں کا توں رہتا ہے۔

عدم وجود کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے۔ اب ہم عدم کے متعلق بھی تھوڑی سی بحث کر لینا مناسب جانتے ہیں وبضدھا تتبین الاشیاء۔ کیا عدم خارج میں ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب نہیں ہے تو سمجھا کس طرح جاتا ہے؟ اور منتزع کس سے ہوتا ہے؟ ہمیشہ عدم کسی وجود سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس گھوڑا ہے اور دوسرا اکیلا ہے۔ تو اس دوسرے شخص کے گھوڑا نہ رکھنے کا علم اُس شخص کے مقابلہ سے ہوتا ہے جس کے پاس گھوڑا ہے۔ زید پہلے حجرے میں تھا، اب دالان میں ہے تو حجرے کو زید سے مقابلہ کیا جائے تو اس سے زید کا عدم منتزع ہوگا۔ اسی طرح غنی کے مقابلے سے فقیر۔ بصیر (بینا) کے مقابلہ اعمیٰ (نابینا) جو سب کچھ ہو وہ وجود محض ہے۔ کچھ بھی نہ ہونے کو عدم محض کہتے ہیں۔ جس سے بعض چیزیں سمجھی جاتی ہیں اور بعض نہیں۔ وہ وجود اضافی ہے اور عدم اضافی اسی سے منتزع ہوگا۔ وجود محض عین ذاتِ حق ہے۔ محالات عدم محض ہیں ممکنات عدم اضافی ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اعدام انتزاعی ہیں اور بندہ بھی عدم اضافی ہے اور موجود حقیقی صرف ذاتِ حق ہے تو تمام اعدام اسی کے بعض اطوار کو بعض اطوار سے نسبت دینے سے معلوم و منتزع ہونگے۔ پس الحق محسوس والخلق معقول برحق ہے نیز جب تک واجب دیکھا جائیگا ممکن نہ سمجھا جائیگا۔ پس یہ قول بھی صحیح ہوا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ عامۃ الناس کے پاس خدا ایک خیالی اور سمجھنے کی بات ہے۔ عرفاء کے پاس بندہ سمجھنے اور خیال کرنے کی بات ہے ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

مرتبۂ صفاتِ الٰہیہ کو جبروت کہتے ہیں۔

مرتبۂ الوہیت تمام کمالات کا اجمال ہے اور تمام صفات اس کی تفصیل مرتبۂ الوہیت کو

مرتبہ لاہوت بھی کہتے ہیں۔

صفاتِ الٰہیہ عین ذات ہیں باعتبار منشاء منتزع عنہ کے یعنی ایک ذات سے انتزاع کئے جاتے ہیں اور غیر ذات ہیں باعتبار مفہوم کے یعنی یہ جدا جدا اعتبار ہیں اور ان کے جدا جدا معنی و آثار ہیں۔ پس اسماء و صفات الٰہیہ لا عین و لا غیر ہیں۔

دیکھو منطقی کہتے ہیں۔ خارج میں صرف ذاتِ زید ہے اور ذہن انسانی اس کی تحلیل کرکے ناطق۔ متحرک بالارادہ۔ نامی۔ قابل ابعاد ثلثہ وغیرہ متعدد امور کو نکالتا۔ انتزاع کرتا ہے۔ حالانکہ منشاء خارج میں ان سب کا وجود عین ذاتِ زید ہے۔ کیوں کہ خارج میں جنس فصل شخص کا وجود ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہے۔

غرض کہ صفات الٰہیہ انتزاعی ہیں انضمامی نہیں۔ کیوں کہ صفتِ انضمامی بھی وجود رکھتی ہے اور ذاتِ موصوف سے خارج مگر وابستہ رہتی ہے۔ چوں کہ وجود عین ذات واجب تعالیٰ ہے لہذا کوئی شے ذات واجب تعالیٰ سے خارج نہیں ہو سکتی۔ خواہ خود واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات ہوں یا ذوات ممکنات۔ پس خدائے تعالیٰ کے سوائے جو کچھ ہے وہ انتزاعی ہے۔ خواہ وجودی ہو یا عدمی اور ہر شے کو خدائے تعالیٰ کے لئے احاطۂ ذاتی ثابت۔ جیسا کہ احاطۂ علمی ثابت ہے۔ علم کا مسئلہ آئندہ تفصیل سے آئے گا۔

تمام صفات الٰہیہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ ہر ایک کے جدا معنے ہیں۔ ہر ایک کے مختلف آثار ہیں۔ مگر حقائق الٰہیہ و اسماء و صفات کی کثرت سے متعدد ذوات کا موجود فی الخارج ہونا لازم نہیں آتا۔ کیوں کہ اسماء الٰہیہ امور انتزاعیہ ہیں اور ان سب کی ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات واجبہ و ہویۃ حقہ ہے ؎

دائرہ سے منتزع ہیں مرکز و قطر و محیط
شانِ وحدت سے ہوئی ہے شانِ کثرت آشکار (حسرت)

خدائے تعالیٰ کو اپنے تمام اوصاف و اسماء کا بھی علم ہے تمام مخلوقات کا قبل خلق بھی علم ہے

ہمیشہ متضائفین یعنی نسبتی نام ایک دوسرے کی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔ جیسے بھائی کا لفظ اس وقت تک صادق نہیں آتا جب تک بھائی نہ ہو۔ اسی طرح باپ بیٹا۔ ماں بیٹی جورو خاوند۔ استاد شاگرد۔ بادشاہ رعیت۔ عبد و رب۔

اس تمہید کے بعد واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ کے صفات حقیقیہ یا حقیقیہ ذات اضافت ازلی ابدی ہیں۔ ان کے وجود میں کسی اور کی طرف اضافت و نسبت کی حاجت نہیں۔ ایسے اوصاف ہی صفت کمال ہیں۔

صفات اضافیہ محضہ جو تضائف و نسبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے ظہور میں مخلوق کا اعتبار بھی ضرور ہوتا ہے۔ پس ان صفات کے ظہور میں مخلوقات کی ضرورت ہوتی ہے۔

جس طرح بیٹا ناز میں آکر کہتا ہے کہ بابا تم میری وجہ سے باپ بنے ہو۔ میں نہ تھا تو تم کس کے باپ تھے اور کیسے باپ تھے۔ گدا کہتا ہے۔ ای کریم، اے سخی، تیری سخاوت کی نمائش میری وجہ سے ہے میں نہ مانگتا تو تو نہ دیتا۔ تو نہ دیتا تو تجھے سخی کون کہتا۔ مانا میں تیرا سراپا محتاج ہوں مگر تو بھی اظہار سخا میں میرا محتاج ہے ؎

بربادیٔ عاشق سے کب ہستی ہے معشوقی
سب دم سے ہمارے ہے معشوقی و شیدائی (حسرت)

⁂

آئینہ تابانم از بیر برابیم دل
زنہار کہ پیش من با ناز چنیں آئی

واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ کے افعال بے غرض ہوتے ہیں یعنی اپنی ذات کی تکمیل کے لئے یا اپنے صفات کمالیہ کے حصول کے لئے نہیں ہوتے۔ بلکہ دوسروں کو ان کے کمال تک پہنچانے کے لئے ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ اس کے صفات کمالیہ پہلے سے ثابت ہیں۔ تاہم صفات اضافیہ کا ظہور مخلوقات سے متعلق ہونے پر موقوف ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ذاتی غرض و

وغایت اور بات ہے حکمت ومصلحت اور شے ہے۔

دوسری تقسیم صفات۔ ایجابی جس میں کسی کمال کے پائے جانے پر دلالت ہو جیسے حیؔ، عالمؔ، قدیرؔ وغیرہ۔ سلبی جس میں کسی نقص سے پاک ہونے پر دلالت ہو جیسے غنی، صمد، قدوس وغیرہ

تیسری تقسیم صفات۔ امہات الصفات تین ہیں۔ حیات، علم، قدرت۔ علم کے دو مددگار ہیں۔ سمع وبصر۔ قدرت کے دو مددگار ہیں۔ ارادہ۔ کلام۔

چاہو تو یہ کہدو کہ امہات الصفات سات ہیں۔ حیات، علم، سمع، بصر، قدرت ارادہ، کلام بعض شیوخ ارادے کو اصل اور قدرت وکلام کو اس کے مددگار سمجھتے ہیں

اسماء وصفات الٰہیہ کے مسائل نہایت اہم ہیں۔ ان کے سمجھنے پر مذہب کا دارومدار ہے۔ ان کے غلط طریقے پر سمجھنے سے تمام مختلف مذاہب پیدا ہوگئے ہیں۔ لہٰذا اسماء الٰہیہ کی توضیح وتشریح میں اگر طول یا تکرار ہو جائے تو نامناسب نہ ہوگی۔

صفات بسیطہ۔ جو ایک معنے پر دلالت کریں۔ جیسے حیات

صفات مرکبہ۔ جو کئی معانی پر دلالت کریں۔ جیسے خالق، رب، رزاق

امہات الصفات ہی صفات بسیطہ ہیں۔ صفات مرکب امہات الصفات کے مختلف اجتماعات اور ان کے گوناگوں طور پر گرہ کھانے کا نام ہے۔ مثلاً خلاق پر غور کرو کیا خلاق مرکب ہے یا بسیط۔ کیا خلاق کے لئے کُنؔ کا کہنا ضرور نہیں کیا ارادہ قدرت علم وسمع وبصر و حیات ضرور نہیں۔ بے شک ہیں۔ لہٰذا خلاق اسم مرکب ہے۔ اسی طرح رب اور حمیت

اس مقام میں اس دقیقہ کو بھی یاد رکھو کہ بعض دفعہ کوئی وجودی شے ہوتی ہے اور اس کو ایک دوسرے محل کے لحاظ سے ایک عدمی صفت عارض سمجھتے ہیں۔ مثلاً زید حجرہ سے صحن میں چلا جائے تو صحن میں ہونا ایک وجودی صفت ہے۔ لیکن حجرہ کے اعتبار سے زید غائب سمجھا جائیگا اور غائب ہونا ایک عدمی صفت ہے۔ لیکن یہ عدمی صفت ایک وجودی صفت سے منتزع ہوتی ہے۔ اسم حمیت کا اعتبار بھی

باعتبار عوالم اسی طرح اسم حی سے منتزع ہوتا ہے۔

چوتھی تقسیم صفات اسم ذات جو ذات کی طرف اشارہ کرے جیسے قدوس۔ غنی۔ صمد

اسم صفت۔ جس میں ظہور وصف ہو۔ جیسے حی، علیم، سمیع، بصیر قوی۔ جمیل۔ کریم

اسم فعل۔ جس اسم میں وقوع فعل پر دلالت ہو اور جس کا اثر دوسرے تک پہنچے۔ جیسے خلاق۔ رزاق۔ محیی۔ ممیت

پانچویں تقسیم صفات اسماء لاہوتی۔ اسماء کے دو جفت ہیں جن سے کوئی شے خارج نہیں۔

جفت اول۔ الاول۔ الآخر

جفت دوم۔ الظاہر۔ الباطن

چھٹی تقسیم صفات جلالی۔ جو قہر سے متعلق ہو جیسے قہار۔ مذل۔ خافض منتقم۔ جمالی جو لطف سے متعلق ہو۔ رحمن۔ رحیم رؤف۔ لطیف

ساتویں تقسیم صفات بعض اصحاب کی رائے میں ۲۸ ارباب یعنی حقائق الٰہی ہیں اور ان کے ۲۸ مربوب یعنی حقائق کونی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایک ایک اسم کا ایک ایک مظہر ہے۔ جس کو وہ رب و مربوب کہتے ہیں۔ ان سے ایک ایک حرف بھی متعلق ہے بعض نے ۲۸ منازل قمر کو بھی لگا دیا ہے۔ مگر ان امور کو تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ غرض ان کے خیال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

البدیع	الباعث	الباطن	الآخر	الظاہر	الحکیم
عقل کل	نفس کل	طبیعت کل	جوہر ہبا	شکل کل	جسم کل
ہمزہ	ھا	عین	حا	غین	خاء

المحیط	الشکور	الغنی	المقتدر	الرّب	العلیم	القاهر
عرش	کرسی	فلک البروج	فلک منازل	فلک زحل	فلک مشتری	فلک مریخ
قاف	کاف	جیم	سین	یا	صاد	لام
النور	المصوّر	المحصی	المبین	القابض	الحی	المحی
فلک الشمس	فلک زہرہ	فلک عطارد	فلک قمر	کرہ نار	ہوا	آب
نون	را	ظا	دال	تا	زا	سین
الممیت	العزیز	الرزاق	المذل	القوی	اللطیف	الجامع
خاک	جماد	نبات	حیوان	ملک	جن	انسان
ضاد	ظا	تا	ذال	فا	با	میم

الرّفیع
انسان کامل
واو

شیون و اعیان ثابتہ

یہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہی کہ مرتبہ وحدت میں ہر قسم کی کثرت کی قابلیت ہوتی ہی۔ ان قابلیتوں کو شیون کہتے ہیں۔ شیون دو قسم کے ہیں۔ شیون آلہیہ۔ شیون خلقیہ۔ مرتبۂ واحدیت میں شیون آلہیہ حقائق آلہیہ کہلاتے ہیں اور شیون خلقیہ۔ حقائق ممکنات یا طبائع جائزات سے موسوم ہوتے ہیں۔ تمام حقائق الہیہ کا جامع اسم اسم اللہ ہی یا یوں کہو کہ مرتبۂ الوہیت ہی۔ کہ اس کا عبد یا مربوب حقیقت جامعۂ ممکنات یا عین ثابتۂ اعظم یا عین محمدی ہی۔ مرتبۂ الوہیت کی تفصیل تمام اسماء الہیہ ہیں اور عین محمدی کی تفصیل تمام اعیان ثابتہ۔ اسماء و صفات میں سے تمام اسماء کا مبدء حیات ہی اور اسم حی تمام اسم کا پیشرو ہی اسم حی ہی کی تفصیل علیم - سمیع - بصیر - قدیر - مرید کلیم ہیں۔ اسم علیم تمام اسماء پر حاکم اور تمام عوالم کا اسی پر دار و مدار ہی۔ اسم علیم کی تفصیل

جا بجا کی جائیگی۔

بصیر کے ذریعے سے تمام اعیان یعنی معلومات الٰہیہ ممتاز ہوتے ہیں یا یوں کہو کہ علم خاص متعلق ہوتا ہی۔

سمیع کے ذریعے سے عین ثابتہ کے اقتضا کا علم ہوتا ہی۔

قدیر کے ذریعے سے قدرت بطورِ کلی عین کے اعطاءِ وجود کی طرف متوجہ ہوتی ہی۔

مرید کے ذریعے سے قدرت بطورِ خاص عین کے اعطاءِ وجود و خلق اور اس کے اقتضاءات کے نمودار کرنے کی طرف توجہ کرتی ہی۔

کلیم۔ عین ثابتہ کو کن سے خطاب فرماتا ہی اور وہ خلعتِ وجود سے ممتاز ہو جاتا ہی۔ کُن سے جو شے حاصل ہوتی ہی وہ امر حق و کلمۃ اللہ ہی۔ سب سے پہلے کلمۃ اللہ روح بنتا ہی۔ اسی لئے عالم ارواح کو عالم امر کہتے ہیں۔

اب ہم امہات الصفات کی تھوڑی تفصیل کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہایت اہم ہیں۔

علم دنیا میں سب سے بڑا جاہل وہ ہی جو خود کو عالم اور واجب جل مجدہ کو جاہل سمجھے۔ ممکن جس کا وجود بالعرض ہی۔ اس کی کون سی شے، کونسی صفت بالذات ہو سکتی ہی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس نہ علم ممکن کے لئے بالذات ہی نہ قدرت۔ لہذا علم و قدرت، واجب جل مجدہ کے لئے بالذات ہونگے۔ ظاہر ہی، کہ ذاتی چیز، ذات سے جدا نہیں ہو سکتی۔ پس حیات و علم و قدرت۔ نیز خدائے تعالیٰ کے اور جتنے صفات ہیں سب خدائے تعالیٰ کے لئے ازلی و ابدی ہیں۔ ان نادانوں کی سمجھ میں کیا اتنا نہیں آتا کہ تمام کمالات کا منبع وجود ہی ہی۔ جو کچھ ہی وہ وجود ہی کے ظہورات ہیں۔ پس جو شے وجود میں نہ ہوگی وہ موجود ہی نہ ہوگی۔ ذات واجب جو عین وجود ہی اس کے وجود سے سب کا وجود ہی۔ اس کی حیات سے سب کی حیات ہی۔ اس کے علم سے سب کا علم ہی۔ اس کی قدرت سے سب کی قدرت ہی۔

ہمارے پاس۔ پہلے پہل کی سینو ہیلی۔ سوتی تھی رنگ محل میں اکیلی نہیں ہے۔ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم ہے۔

واضح ہو کہ علم الٰہی کے مختلف اطوار ہیں۔ جدا جدا اعتبارات ہیں۔ مرتبۂ احدیت میں علم عینِ ذات ہے۔ ذاتِ حق نورِ محض ہے۔ ظلمت کو وہاں رسائی نہیں۔ علم ہی نور ہے جہل ظلمت ہے۔ اس مرتبے میں وہی عالم ہے وہی معلوم ہے۔ وہی علم ہے۔ وہی شاہد ہے۔ وہی مشہود ہے۔ وہی شہود ہے وہی واجد ہے وہی موجود ہے۔ یہاں بالکل غیریت کو گنجائش نہیں۔ اس مرتبے میں علم کا نام نور اور علم ذاتی ہے۔

مرتبۂ واحدیت جو اسماء و صفات کا مرتبہ ہے۔ اس میں علم کا مرتبہ حیات کے مرتبے کے بعد ہے اور قدرت کے مرتبے کے پہلے ہے۔ علم حیات پہ متفرع اور قدرت علم کا تابع ہے۔ اس مرتبے میں عالم و معلوم میں۔ غیریت اعتباری آجاتی ہے۔

علم میں ذواتِ ممکنات کے نمایاں ہونے کو وجود و مخلوق و منشاء آثار ہو جانا ضرور نہیں کیوں کہ وہ کن کے بعد مخلوق و منشاء آثار ہونگے۔

اس مرتبے کے علم کو علمِ تفصیلی فعلی کہتے ہیں۔ اسی پر امرِ حق کا حکمت کا۔ مخلوقات کے علم الٰہی میں باہم ممتاز ہونے کا عدم اضطرار کا دار و مدار ہے۔ عین ثابتہ کو اسی مرتبے میں کن کا حکم دیا جاتا ہے۔ انما امرنا لشیٔ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون

اب علم کا ایک اور مرتبہ رہ گیا ہے اور وہ علم انفعالی ہے یعنی مخلوقات جیسے جیسے عالم میں پہنچتے جائیں گے۔ علم الٰہی ان سے متعلق ہوتا جائے گا۔ اس علم کا تعلق مخلوقات و حوادث سے ہونے کی وجہ سے خود علم حادث معلوم ہوتا ہے۔ یا یوں کہہ دو کہ سریانِ علم قدیم جب اعیانِ خارجیہ مخلوقات میں ہوتا ہے۔ تو علم حادث معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس تعلق یا ظہور کے حدوث سے علم قدیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس طرح کہ وجود جو عینِ ذاتِ حق ہے۔ مخلوقات کی طرف نسبت پاتا ہے، تو حادث معلوم ہوتا ہے اور وجود بالعرض کہلاتا ہے۔

معلوم | اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جان کر پیدا کرتا ہے۔ ورنہ جہل و اضطرار لازم آئے گا۔ معلومات الٰہیہ کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ کن کا حکم اعیان کو ہوا۔ کن کے بعد مخلوقات پیدا ہوئے لہذا اعیان ثابتہ ذات الٰہی و مرتبہ داخلی کے اندر ہیں اور مخلوق نہیں۔

اعیان ثابتہ دو قسم کے ہیں (۱) حقائق الٰہیہ (۲) حقائق ممکنہ

حقائق الٰہیہ - اسماء الٰہیہ ہیں جو معلوم حق ہیں

حقائق ممکنہ - صور ممکنات ہیں جو معلوم حق ہیں

یہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ مرتبۂ وحدت میں ہر قسم کی کثرت کی قابلیت ہوتی ہے ان قابلیتوں کو شیون کہتے ہیں۔ شیون دو قسم کے ہیں۔ شیون الٰہیہ شیون خلقیہ مرتبۂ واحدیت میں شیون الٰہیہ حقائق الٰہیہ کہلاتے ہیں اور شیون خلقیہ حقائق ممکنات یا طبائع جائزات سے موسوم ہوتے ہیں۔

تمام حقائق الٰہیہ کا جامع اسم یا مرتبہ الوھیۃ ہے۔ اس کا عبد یا مربوب حقیقت جامعہ ممکنات یا عین ثابتۂ اعظم یا عین محمدی یا عین الاعیان یا معلوم اعظم ہے۔ مرتبۂ الوہیت کی تفصیل تمام اسماء الٰہیہ ہیں اور عین محمدی کی تفصیل تمام اعیان ثابتۂ مخلوقات۔ وجود عین الاعیان۔ روح اعظم۔ سب جزئی حقیقی ہیں۔ ناقابل تکثر ہیں۔ ان کو ان کے مظاہر کے لحاظ سے ایک قسم کی کلیت عارض ہوتی ہے۔ بالعرض طور سے اُن پر ایک قسم کی کلیت لاحق ہوتی ہے۔ بالعرض طور سے اُن پر کلی کے صدق سے ان کے بالذات جزئی حقیقی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ کلیت ایک اعتباری شے ہے اس سے اُن کا ذاتی تعین و تشخص زائل نہیں ہو سکتا۔

چاہو تو یوں کہدو کہ وجود یا عین الاعیان یا روح اعظم کے دو تشخص و تعین ہیں۔ ایک تعین ذاتی جو ہر حال میں باقی رہتا ہے۔ دوم صفاتی یا اعتباری تشخصات جو ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں یا کثیر ہوتے ہیں۔ مثلاً زید جزئی حقیقی ہے۔ اس کو کودکی،

جوانی، کہولت، پیری لاحق ہوتے گئے۔ تو تشخصات و تعینات کثیرہ عارض ہوئے تو کیا زید بالذات کلی و اعتباری بن گیا۔ ہرگز نہیں

تقدیر

اسمار الٰہی اپنے مربوبات پر اثر کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اسمار الٰہی مختلف و متضاد ہیں مثلاً خالق، رب، ممیت۔ لہذا یہ سب ایک وقت میں اپنا اثر و عمل نہیں کر سکتے لہذا اسم مقسط بعد اسم حکیم ان اسماء میں ترتیب دیتا ہے۔ اس ترتیبِ عام و نظام کلی کو تقدیر کہتے ہیں تقدیر کے مطابق ایک ایک شے ظاہر ہوتی ہے تو اس کو قضا کہتے ہیں۔ آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ عالم شہادت میں معلوم نہیں ہو سکتا ہے، کیوں کہ عالم شہادت میں صرف حال معلوم ہوتا ہے۔ نہ ماضی معلوم ہوتا ہے، نہ مستقبل۔ اس لئے یہ سب جد و جہد، سعی و عمل ہے۔ جو آدمی جس عالم میں ہے اس کو اس کے لوازم پورے کرنے ضرور ہیں۔ جزئی ارادہ رکھکر بے ارادتی کا دعویٰ۔ چھوٹا منھ بڑی بات ہے جھونپڑی میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا مضحکہ انگیز ہے۔

علم الٰہی سے عالم مثال میں بعض دفعہ ایک شے کے وجود کے تمام موقوف علیہ اور اسباب و علل مرئی و نمودار نہیں ہوتے۔ اس وقت اس قضا کو قضاءِ معلق کہتے ہیں۔ اگر جزءِ اخیر اور متمم آجاتا ہے۔ تو وہ شے موجود ہو جاتی ہے۔ اگر مانع مترشح و نمایاں ہو جاتا ہے۔ تو شے موجود نہیں ہوتی۔ بالجملہ متمم یا مانع کے ظاہر ہونے کے بعد کہا جاتا ہے کہ قضاءِ معلق مبرم ہو گئی۔

دنیوی امور میں کوشش، اخروی امور میں جد و جہد، دعا اور طلب دعا کا وارد ہونا اسی قضاءِ معلق پر مبنی ہے۔

قضاءِ معلق کو علتِ ناقصہ اور قضاءِ مبرم کو علتِ تامہ سمجھو۔ مکمل سلسلہ عالم شہادت میں بعد وقوع معلوم ہوتا ہے۔ ہاں خدائے تعالیٰ کے علم میں عالم اور عالم میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ ہے۔ مگر وہاں تک کس کی رسائی ہے۔ وہ خود کسی کو اطلاع دے دے تو اس کا فضل ہے

يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده أم الكتاب — ولا يحيطون بشيء من علمه إلا بما شاء۔ وما أوتيتم من العلم إلا قليلا

کوئی شے (ذرۂ بے مقدار سے خورشید پر انوار تک) جملہ اسماء سے خالی نہیں زیادہ بریں نسبت کہ ایک اسم مقدم و حاکم رہتا ہے اور دوسرے اسماء اس کے معین و تابع رہتے ہیں معطل یا بے کار وہ ہے جو اپنے کام کے وقت کام نہ کرے۔ تمام اسماء الٰہیہ چوں کہ اپنے وقت پر کام کرتے ہیں۔ لہذا ان میں سے کوئی معطل نہیں۔

کمال حسن کو کہتے ہیں وہ کسی شے سے اسماء و صفات الٰہیہ کے ظاہر و نمایاں ہونے کا نام ہے جس سے جس قدر اسماء الٰہیہ زیادہ نمایاں ہونگے وہ شے اتنی ہی کامل ہوگی۔ اگر مرآۃ دل بالکل صاف ہو۔ خطرات بند ہوں۔ کوئی ذاتی خواہش باقی نہ ہو۔ تو وہ تجلی گاہ حق ہوگا۔ جام جہاں نما ہوگا۔ مرآۃ حقائق ہوگا۔ ایسا شخص اپنے آپ میں سے سریان وجود الٰہی کو ہر مخلوق میں مشاہدہ کرے گا۔ سچ پوچھو تو ایسا ہی شخص انسان کہلانے کے قابل ہوگا۔ تاج خلافت اسی کے زیب سر ہوگا۔

جعل کے دو معنی ہیں (۱) اعیان کا تجلی علمی و فیضِ اقدس سے علم میں نمایاں ہونا۔ یہ حقیقۃً احتیاج الی الواجب کے معنی ہیں۔ یہ جعل، جعل بسیط ہے کیوں کہ فیضِ اقدس سے صرف ذوات و حقائق، علم میں نمایاں ہیں۔

(۲) اعیان مخلوقات کا فیض مقدس کی وجہ سے خارج میں موجود ہو کر منشاء آثار ہونا۔ یہ جعل بمعنی خلق و ایجاد ہے اور یہ جعل مرکب ہے کیوں کہ فیض مقدس سے حقائق پر وجود کے آثار مترتب ہوتے ہیں۔

فیض مقدس تابع استعداداتِ کلیۂ اعیان ہیں اور استعدادات کلیہ لوازم اعیان سے ہیں نہ اعیان مخلوق ہیں، نہ ان کے لوازم۔ کیوں کہ علم و معلوم کا مرتبہ قدرت و خلق سے پہلے ہے اعیان کے دو قسم کے استعداد ہیں (۱) کلی (۲) جزئی۔

استعداد کلی عین کے ساتھ علم الٰہی میں ثابت ہے اور وہ غیر مخلوق ہے اور کسی خارجی شے سے مشروط نہیں۔

استعداد جزئی عالمِ خلق میں استعدادِ کلی کی تفصیل ہے۔ یہ تفصیل اسی کلی استعداد کے مطابق مشروط بشرائط اور مخلوق اور تحت کن ہے۔

خیر وشر وجود محض خیر محض ہے اور عدم محض شرِ محض۔ اگر کسی شئے سے وجود کے بعض آثار نمایاں ہوں اور بعض نمایاں نہ ہوں۔ تو وہ وجود اور عدم اضافی ہے اور اس پر خیر وشر اضافی مرتب ہوگا۔ جس کام میں خیر کثیر اور شر قلیل ہو وہ قابل اختیار ہے۔ جس کام میں شر کثیر اور خیر قلیل ہو وہ قابل ترک ہو۔

قوانینِ تمدن خیر کثیر اور شر کثیر دنیا پر مبنی رہتے ہیں۔ شریعت دوجہاں میں خیر کثیر کو پہنچاتی ہے۔

ہر چند ایک چیز ایک چیز کے لحاظ سے خیر اور ایک دوسری چیز کے لحاظ سے شر ہو سکتی ہے جیسا کہ شر اضافی کا تقاضا ہے۔ مگر وجود کے لحاظ سے تو ہر شئے خیر ہی خیر ہے کیوں کہ وجود خیر محض ہے۔

وجود محض وہستی مطلق، ذات حق میں منحصر ہے اور عدم محض موجود ہی نہیں۔ پس ماسوائے حق جتنے اشیاء ہیں وہ وجود اضافی یا عدم اضافی ہیں۔ لہذا شر سے خالی نہیں۔ غرض کہ تعین یعنی مخلوقات کے لوازم سے عدم اضافی ہے جس کو شر لازم ہے کیوں کہ تعین امتیاز پر دلالت کرتا ہے۔ اور کسی نہ کسی شئے کے چھوٹنے کو ظاہر کرتا ہے، جو عدم ہے۔

مخلوقات کا تعین اضافی وعدمی ہے۔ خدائے تعالیٰ کا تعین ذاتی وجودی ہے۔ کسی ممکن ومخلوق سے وجوبِ ذاتی واستغناءِ ذاتی نمایاں وظاہر نہیں ہوتے کیوں کہ حقیقتِ ممکنہ کو افتقار واحتیاج لازم ہے۔

قدرت واضح ہو کہ معلومات الٰہیہ یا اعیان ثابتہ یا صور علمیہ کئی قسم کے ہیں۔

(۱) خود اسماء الٰہیہ جو نفس ذات سے منتزع ہیں۔ وہ عین ذات ہیں اور ذات کے ساتھ قدیم ہیں یعنی ان کی ذات اور منشا ومنتزع عنہ قدیم ہے۔

(۲) وہ معلومات جن کو وجود خارجی سے جو عین ذاتِ حق ہی۔ کوئی تباین نہیں۔ ان کا وجود بھی ضروری نہیں اور عدم بھی ضروری نہیں۔ جب وہ وجود خارجی و اسمار الٰہیہ سے ملتے ہیں تو ان سے آثار نمایاں ہوتے ہیں یعنی وہ مخلوق و مجعول ہوتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ ایسے معلومات ممکنات۔ جائزات۔ مخلوقات کہلاتے ہیں۔ ان میں سے کلیات کو ماہیات اور طبائع مرسلہ اور جزئیات کو ھُوّیات کہتے ہیں۔

(۳) وہ معلومات یا صور علمیہ جو ذاتِ حق، وجودِ حقیقی اور اسمار الٰہیہ سے جو خارج میں عین ذاتِ حق ہیں مباینۃ و معاندت و معارضۃ رکھتے ہیں وہ ہرگز موجود نہیں ہوسکتے ایسے صوَرِ علمیہ ممتنع۔ محال۔ مستحیل کہلاتے ہیں۔

یہ خوب یاد رکھو کہ قدرت کا تعلق عین و معلوم سے بعد علم ہوتا ہی اور ارادہ الٰہی فرع حکمۃ بالغہ ہی جو شے خلافِ حکمت ہو۔ وہ ناقابل تعلق قدرت و ارادہ ہی۔ پس محالات اور خلاف حکمت امور سے کن متعلق نہیں ہوسکتا۔ اور ان میں قابلیت ہی نہیں۔ محالات کو ممکن سمجھنا۔ قابل خلق و وجود سمجھنا جہل ہی اور یہ سمجھنا کہ خدائے تعالیٰ غیر حکیمانہ کام کرسکتا ہے اس کو حکیم نہ ماننے کے مساوی ہی

مجنون و سفیہ کی قدرت تحت علم و حکمت نہیں رہتی۔ ہوشمند۔ ذی عقل۔ حکیم کی قدرت تحتِ علم و حکمت رہتی ہی۔

محالات سے قدرت و ارادہ و کن متعلق نہ ہوسکنے سے عجز لازم نہیں آتا۔ عجز اُس وقت لازم آتا ہے کہ پہلے وہ چیز ممکن بھی ہوتی۔ کیا کل کو جزو سے بڑا نہ کر دے سکنا یا اپنا شریک نہ پیدا کرسکنا۔ یا اول سے پہلے اول۔ اور آخر کے بعد آخر پیدا نہ کرسکنا عجز ہی۔ ہرگز نہیں۔ یہ تمام چیزیں محال ہیں اور محال سے قدرت کا متعلق نہ ہونا عجز نہیں۔ بلکہ ممکنات کا پیدا نہ کرسکنا بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، عجز و منافی قدرت ہی۔

کلام چوں کہ کلام الٰہی کے متعلق اسلام میں ایک زمانہ تک سخت فتنہ برپا رہا۔ اس مسئلہ میں

ائمہ قتل تک کئے گئے ہیں۔ مذہبی اختلاف کی ابتدا اور مذہبی معرکہ آرائیاں مسئلہ کلام ہی سے ہوئیں۔ چنانچہ عقائد یا فلسفۂ اسلام کا نام ہی علم کلام ہو گیا۔ اس لئے میں اس کی گونہ تفصیل کروں گا۔ تاکہ اس اختلاف کا منشاء غلط معلوم ہو جائے۔

آؤ ذرا غور کریں۔ ناٹکوں اور تھیٹروں میں کھیل کیوں کر ہوتا ہی؟ کسی ناول یا ڈراما سے کھیل کو استخراج کرتے ہیں یا خود کسی ڈراما کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ کھیل سے پیشتر کیا ہی؟ ڈراما کی کتاب اس سے پیشتر کیا ہی؟ ڈراما نویس کے الفاظ۔ جن کو وہ کتاب میں لکھتا اور طبع کرواتا ہی۔ اس سے پیشتر کیا ہی؟ وہی ڈراما ہی۔ مگر خیالی الفاظ میں؟ جس زبان میں ڈراما نویس اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہی۔ ممکن ہی کہ کسی شخص کو کئی زبانیں آتی ہوں۔ وہ جس زبان میں چاہے فکر و خیال میں ڈراما کو ترتیب و تیار کر سکتا ہی۔ خواہ اُردو میں، خواہ عربی خواہ انگریزی میں۔

اس نے زبان تو ہلائی نہیں۔ آواز تو نکالی نہیں۔ مُنہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔ یہ دل میں انگریزی یا اُردو میں ناول کیسا۔ دل میں شاید اسی ناول کے معنے ہونگے۔ جن کو زبان سے الفاظ میں بیان کرے گا۔ نہیں معنے تو انگریزی، عربی، اُردو سب کے ایک ہیں۔ ناول میں ناول نویس کے الفاظ ہیں جو کہنے سے پیشتر خیال میں تھے۔ خیال میں جو الفاظ و کلام رہتا ہے۔ اس کو کلام نفسی کہتے ہیں۔

زرا بولو قفا نبک من ذکری حبیب و منزل جب میں پڑھتا ہوں۔ کیا معنے امرء القیس کے اور الفاظ میرے ہیں۔ نہیں الفاظ بھی امرأ القیس کے ہیں جن کو میں نے پڑھا ہی۔

خط لباس ہی ہمارے الفاظ کا۔ الفاظ لباس ہی کلام نفسی کا۔ کلام نفسی لباس ہے علم کا۔

کیا کھیل کے آج ہونے سے ڈراما کا آج پیدا ہونا لازم آتا ہی۔ نہیں ڈراما تو

پہلے سے ہی۔ تھیٹر میں اس کا ظہور آج ہوا ہی۔ خدا توفیق دے ڈراما نویس نے تو ایک وقت لکھا۔ ان ایکٹروں نے تو احمقوں کے لوٹنے کے لئے سیکڑوں دفعہ اس کا ظہور کیا۔

کیا ڈراما کے آج طبع ہونے سے اس کا آج پیدا ہونا لازم آتا ہی۔ نہیں ڈراما کا عالم کتاب میں آج ظہور تازہ ہوا ہی۔ اس سے پیشتر مطبع والوں نے کتنی دفعہ اس کا ظہور کیا ہی۔

یہ کیا بات ہی۔ سیاہی نئی، کاغذ نیا، ہمارا پڑھنا نیا۔ مطبع نیا۔ مطبع والے نئے مگر ناول سیکڑوں سال کا۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ قدیم ناول سے ان کا تعلق و ربط حادث ہی۔ تعلقات کے حدوث سے ناول کے قدامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ڈرامے جب تھیٹروں میں کئے جاتے ہیں تو واقعات بھی ہوتے ہیں۔ ان کے اخبار بھی ہوتے ہیں۔ تھیٹر میں واقعات بھی حادث ان کا بیان و خبر بھی حادث۔ مگر اصل ڈراما قدیم۔ کیوں کہ تھیٹر میں ڈراما کا ظہور ہی۔ ظہور کے حدوث سے اصل شے کا حدوث لازم نہیں آتا۔

ہاں چند امور اور رہ گئے ہیں ان پر بھی غور کر لو۔ کلام کو علم سے کیا تعلق ہے کلام معلومات کے اظہار کا ذریعہ ہی۔ علم انسان ہی تو کلام اس کا صورت ہی۔

ناول کا روشِ بیان کیسا ہوتا ہی۔ ہر ناولسٹ کا ایک رنگ خاص ہوتا ہے وہ بادشاہ، فقیر، عالم و جاہل، عورت و مرد کی لاکھ زبان لکھے۔ مگر جاننے والے سے کبھی نہیں چھپتا کہ یہ فلاں شخص کا ناول ہی۔ کیوں کہ ہر شخص کا طرز بیان جدا ہوتا ہی۔

اس تمہید کے بعد واضح ہو کہ قرآن شریف کلام اللہ ہی اس کا طرز بیان شروع سے لے کر آخر تک معجز ہے۔ رسول کریم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند کہ افصح العرب والعجم ہیں، مگر کلام اللہ شریف سے حدیث شریف کا اسلوب بیان بالکل جدا ہے۔ حدیث شریف میں قرآن شریف کی کوئی آیت آجائے تو وہ صاف ممتاز ہو جاتی ہی

کبھی حدیث شریف سے نہیں ملتی۔ پورے قرآن شریف میں یکسانی قطعاً ہے۔ دشمن سے دشمن بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ گو حدیث شریف میں بھی وضاحت کے لحاظ سے ایک مشترک اسلوب پایا جاتا ہے۔ مگر وہ قرآن پاک سے بالکل ہی مغائر ہے۔

جب قرآن شریف کلام اللہ ہوا تو اس کی صفت ہوئی۔ خدائے تعالیٰ کے تمام اوصاف قدیم ہیں تو کلام اللہ بھی قدیم ہے۔

قرآن شریف عربی زبان میں ہے عربی زبان حادث ہے۔ تو قرآن شریف بھی حادث ہونا چاہیئے۔

عربی زبان حادث ہے عالم شہادت میں۔ علم الٰہی اور کلام الٰہی کے لحاظ سے قدیم ہے۔ دنیا میں جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ وہ سب علم الٰہی میں ہے۔ لہذا دنیا کے تمام کلام قدیم ہیں پھر قرآن شریف کی کیا خصوصیت؟ یوں اور آسمانی کتابیں بھی ہیں۔ وہ بھی وحی ہیں احادیث قدسی بھی خدا کا کلام ہے۔ پھر قرآن شریف کا مابہ الامتیاز کیا ہے؟۔ دوسری آسمانی کتابوں میں نیز احادیث قدسی میں معنے کا القا ہوتا ہے اور الفاظ پیغمبروں کے رہتے ہیں۔ قرآن شریف کے الفاظ و معانی دونو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ علم و صورت علم یعنی کلام دونو قدیم ہیں۔

ہم بالبداہت دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف الفاظ کا مجموعہ ہے۔ الفاظ جنس اصوات یعنی آواز سے ہیں اور الفاظ و اصوات حادث ہیں۔ لہذا قرآن شریف بھی حادث ہے۔ اول تو تم کلام نفسی سے بے خبر ہو۔ جس کو اصوات سے سمجھنا غلطی ہے۔ دوم تم حادث۔ تمھاری زبان حادث۔ سیاہی، قلم، کاغذ سب حادث جس سے کلام اللہ کا تعلق ہو رہا ہے۔ یہ تمام تعلقات حادث۔ مگر کلام اللہ حادث نہیں۔ کیوں کہ یہ اس کے ظہورات ہیں۔ ظہورات کے حدوث سے اصل شے کا حدوث لازم نہیں آتا۔

قرآن شریف میں انبیاء سابقین کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ واقعات

محکی عنہ پہلے ہوتے ہیں اور ان کا بیان و حکایت بعد۔ جب واقعات حادث ہیں۔ تو ان کا بیان جو ان کے بعد ہے وہ بھی حادث ہے۔

یہ باعتبار ظہور کے ہے۔ علم الٰہی کے لحاظ سے۔ کلام نفسی کے لحاظ سے۔ کلام اللہ قدیم ہے تم جس کو بیان کہتے ہو۔ وہ ظہور ہے۔

پروگرام پہلے ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق تمام تقریریں ہوتی ہیں ظہور تقریرات کے حادث ہونے سے اصل پروگرام یا تقریروں پر حدوث کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کا تصفیہ پہلے سے ہو چکتا ہے۔ یہ ان امور فیصل شدہ کا ظہور ہے۔

انسان اور انسان کے تمام اوصاف و افعال سب حادث ہیں۔ خدا کی ذات اس کے اوصاف و افعال سب قدیم ہیں۔ بظاہر حدوث کا جو شبہ ہوتا ہے وہ سب تعلقات کی وجہ سے ہے۔ ظہور کے سبب ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کو ظالموں نے مارا کہ قرآن شریف کو حادث کہیں۔ مگر قرآن شریف قدیم۔ یہ سب اس کے آلاتِ ظہور ہیں۔ ان کے حدوث سے قرآن شریف حادث نہیں ہو سکتا۔ یہ سب لباس ہیں، مظاہر ہیں اور حادث ہیں۔ اس سے اصل قرآن شریف پر کیا اثر ہوتا ہے۔

جبر و قدر

علت ناقصہ کے اعتبار سے مخلوقات کو اختیار ہے۔ علت تامہ کے اعتبار سے مجبوری ہے۔

ارادہ کے بعد جو افعال ہیں۔ ان میں اختیار ہے۔ خود ارادہ اور ارادے سے پیشتر جو امور ہیں ان میں اختیار نہیں ہے۔

جس کو ارادہ نہیں، اختیار نہیں۔ ایسا شخص مجنون ہے اور وہ مکلف شرعی بھی نہیں

ممکن ممکن کو پیدا نہیں کر سکتا۔ خواہ ذات ہو یا فعل۔ کیوں کہ اعطاءِ وجود شانِ واجب سے ہے۔ لہٰذا مخلوقات خالقِ فعل نہیں کاسب فعل ہیں۔

کسی شخص کو کسی فعل کا امر کیا جائے تو اس فعل کا اس شخص سے صادر ہونا ضرور نہیں

خود فعل کو کن کا امر کیا جائے تو اس فعل کا موجود ہونا ضرور ہے۔

اگر کسی کام کا امر کیا جائے اور وہ کام مامور کی استعداد کلی اور حقیقت کے اقتضا کے مناسب ہے۔ تو پہلے اس کا ارادہ دیا جاتا ہے۔ پھر فعل کو کن کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ فعل ظاہر ہوتا ہے۔

اگر کسی کو کسی فعل کا امر کیا جائے اور اس فعل سے اس کی حقیقت و طبیعت ابا کرتی ہے اور وہ فعل عین ثابتہ و حقیقت کے اقتضا کے خلاف ہوتا ہے تو فعل کو نہ کن کا حکم دیا جاتا ہے نہ وہ فعل ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی اس شخص کو امر کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے غرض اس شخص کی عدم قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز عینِ ثابتہ بقوۃ تمام زبان حال سے ظہور فعل سے انکار کرتا ہے گو زبان قال سے طلب فعل کرے۔ پس حکیم مطلق مراعات اقتضاء حقیقت کرتا ہے۔

ربط حادث بقدیم یا کیفیت جعل و خلق

خدا اور بندے میں آخر کیا تعلق ہے۔ کیا ایسا تعلق ہے جیسا کہ اس میز کو نجار سے ہے۔ کہ میز نجار سے جدا ہے۔ نجار نے لکڑی کے تختے صاف کرکے کیلوں سے جڑ دیئے۔ پائے خراط پر چڑھا کر لگا دیئے میز میں خانے۔ خانوں کو دستے لگا دیئے۔ اوپر بانات کا فرش کر دیا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ وجود عینِ ذات خداوندی ہے۔ اس کی ذات سے خارج کوئی چیز نہیں۔ میز بن جانے کے بعد نجار کی محتاج نہیں۔ ممکن واجب کا، بندہ خدا کا ہر آن ہر لحظہ محتاج ہے۔ ممکن سے اس کی احتیاج ذاتی کبھی دور نہیں ہو سکتی

کیا ممکن و واجب میں ایسا ربط ہے جیسا انڈے اور چوزے میں کہ انڈا ہی چوزہ ہو گیا ہے۔ خدا ہی بندہ بن گیا ہے۔ استغفر اللہ العظیم یہ استحالہ ہے۔ انقلاب حقیقت ہے خداے تعالیٰ الآن کما کان ہے۔ ناقابل تغیر ہے۔ عیوب و رذائل سے پاک ہے۔

کیا خدا کل اور تمام اشیاء اس کے اجزاء ہیں اعوذ باللہ انتفاء جز سے انتفاء کل لازم آتا ہے۔ کل جز کا اپنے وجود و تحقیق میں محتاج ہے۔ اول اجزاء ہیں تو پھر کل ہے۔ ہژدہ ہزار عالم فنا ہو جائیں۔ اس کی ذاتِ سامی سمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واجب سب کا محتاج الیہ ہے۔ وہ

کسی کا محتاج نہیں ہے

ممکن بود امکاں کہ ہمہ عجز و نیاز ست
سرمایۂ دولت چہ سلاطیں چہ خدم را

کیا واجب حال اور ممکن محل ہی۔ توبہ توبہ محل کے انقسام سے حال بھی منقسم ہو جاتا ہی محل حال کا محتاج ہوتا ہی۔ ممکنات کے کون و فساد۔ بننے بگڑنے سے واجب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واجب بالذات کامل ہی۔ اس کا کمال ازل و ابدی ہی۔

کیا ممکن و واجب ایسے ہیں جیسا دریا اور موج۔ ہرگز نہیں۔ دریا کی موجیں ہوا کے تحرک سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں خدا کے سوا خارج میں ہی کیا کہ آ کر ملے اور مخلوقات کو پیدا کرے۔

کیا واجب و ممکن ایسے ہیں جیسے عنکبوت و نسج العنکبوت یعنی مکڑی اور اس کا جالا کہ مکڑی اپنے پیٹ سے ایک لیس دار مادہ نکال کر جالا تنتی ہی۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ خدا کی ذات سے کوئی شے خارج ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی ذات عین وجود ہی۔ اس سے خارج صرف عدم ہی۔ جو موجود ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز مکڑی مرجاتی ہی اور جالا باقی رہتا ہی۔ ممکن کا بغیر واجب کے موجود رہنا قطعاً ناممکن۔

کیا ایسا ہی جیسے تخم و شجر کہ پہلے مجمل تھا اب مفصل شجر ہو گیا ہی ہرگز نہیں۔ تخم و شجر میں بھی استحالہ ہی۔ شجر ہو جانے کے بعد اب تخم کہاں رہا۔ نیز مٹی پانی اور کاربانک ایسڈ گیس آ کر ملے ہیں تو شجر بنتا ہی۔ خدا کے سوا ہے کیا کہ آ کر ملے اور بندہ بنے۔ نہ خدا کا کوئی جز۔ نہ خدا کسی کا جز۔

کیا خدا کل اور اشیاء جزئیات ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کلی انتزاعی و اعتباری سے ہوتی ہی۔ جو جزئی سے منتزع سمجھی جاتی ہی۔ خدا بالذات موجود ہے حقیقی وجود ہے۔ خدا اور انتزاعی۔ نعوذ باللہ

کیا خدا شخص اور بندہ اس کا عکس ہی۔ ہرگز نہیں۔ یہاں خدا کے سوا بالذات ہی کیا کہ

مرأت بنے اور عکس دکھائی دے۔

وجود ہی شخص ہے خود ہی عکس ہے خود ہی مرأت ہے۔ پھر نہ شخص عکس ہے نہ آئینہ شخص ہے۔ نہ اس کے برعکس ہے۔ اچھا تو آخر میں کچھ ہوں بھی یا کچھ بھی نہیں۔ اگر تم ہو تو شرک فی الوجود لازم آتا ہے۔ وجود جزئی حقیقی ناقابل تکثر ہے اور منحصر ذات حق میں ہے۔ بلکہ عین ذات ہے۔ نہیں ہوں تو یہ بولتا کون ہے اور عیوب نقائص کس کی ذات سے نمایاں ہیں۔ کیا ذاتِ حق سے نعوذ باللہ وہ کامل و اکمل ہے وہ عین وجود ہے جو خیر محض ہے۔

کیا وجود عدم ہوگیا ہے۔ یہ تو انقلاب حقیقت ہے۔ کیا عدم میں وجود کا جلوہ ہے۔ سبحان اللہ عدم ہے کیا کہ اس میں وجود کی جلوہ گری ہو ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ۔

کیا میں نہ نیست ہوں نہ ہست ہوں۔ یہ تو ارتفاع نقیضین ہے۔

آخر اس معمے کا حل اس پہیلی کی بوجھ کیا ہے۔

یہ بات تو معلوم ہو چکی ہے کہ اعیانِ ثابتہ معلوماتِ الٰہیہ ہیں اور یہ بھی کہ وہ موجود فی الخارج نہیں خارج میں سوائے ذات حق کے کوئی نہیں۔ تو دو سوال پیدا ہونگے۔ اول کیا اعیان ثابتہ مجعول و مخلوق ہیں۔ دوم کیا ان پر احکام خارجیہ مترتب ہوتے ہیں اور اس کی کیفیت کیا ہے۔

ان کا جواب یہ ہے کہ اعیانِ ثابتہ پر آثار مترتب ہونے کے لئے صرف معلوم حق ہونا کافی نہیں بلکہ حقائق و اعیان سے اسمائے الٰہیہ کو ربط بھی ہو یا یوں کہو کہ اسماء صفات الٰہیہ نسبت خاصہ سے مجتمع ہو کر عین ثابتہ پر تجلی فرمائیں۔

واضح ہو کہ عین ثابتہ کے ظہور کے لئے ایک اسم الٰہی کی تجلی ضرور ہے۔ اگر عین ثابتہ کلی ہوگا تو اسم الٰہی بھی کلی ہوگا عین ثابتہ جزئی تو اسم الٰہی بھی جزئی ہوگا عام تو عام خاص تو خاص عین ثابتہ کو مربوب اور اسم الٰہی کو اس کا رب عین ثابتہ کو مظہر اور اسم الٰہی کو ظاہر یا اس کا مظہر کہتے ہیں۔ یہ اسم الٰہی امہات الاسما و صفات سے مرکب ہوتے ہیں۔ امہات الصفات مختلف نسبتوں سے باہم ملتے ہیں تو مختلف مرکب اسما و صفات متولد و جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان اسمار کے مختلف طبائع و آثار ہوتے ہیں۔

عین ثابتہ اسم الٰہی سے۔ مظہر ظاہر سے۔ مربوب رب سے ملتا ہے تو مخلوق ہوتا ہے۔ یا یوں کہو کہ عین ثابتہ پر حیات و علم سمع و بصر قدرت و ارادہ و کلام کا بہ نسبت خاصہ پر تو پڑتا ہے تو وہ موجود ہوتا ہے۔ میری اس

تقریر سے ہرگز ہرگز نہ سمجھو کہ یہ اسماء ارباب ہیں تو مختلف ذوات ہیں۔ نہیں صرف ایک ذات حق ہے اس کے تمام اسماء و صفات امور انتزاعی ہیں خارج میں حقیقۃً بالذات صرف ایک ذات حق ہے اس کے سوا کوئی بالذات نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔ وحدہٗ لا شریک لہ۔ ذات حق سب کو محیط ہے اعیان کو بھی وھو بکل شیئٍ محیط۔

دیکھو عناصر نسبتِ خاصہ باہم مل کر حقیقتِ شجر بن جاتے ہیں۔ تو ان پر احکام و آثارِ شجر مترتب ہوتے ہیں۔ اشجار میں بھی ہزارہا اقسام و انواع۔ لکڑی الگ۔ پتا الگ، پھول الگ، پھل الگ۔ پھر رنگ جدا بو جدا۔ صورت شکل جدا خاصیات و منافع جدا۔ کیا آم کا درخت اور خود آم اور جام کا درخت اور خود جام نہیں ہیں؟ بے شک ہیں محسوس ہیں مشاہدہ ہیں خارج میں ہیں۔ مرتب علیہ احکام ہیں عالم سے جاہل تک کیا چھوٹا کیا بڑا۔ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ذرا کیمیا داں سے تو پوچھو۔ وہ کیا کہتا ہے۔ آم جام اور ان کے درخت کچھ بھی نہیں عناصر کی نسبت خاصہ سے اجتماع کا نام آم۔ جام اور ان کے درخت ہیں کیمیا دانوں کی تحلیل عناصر پر ختم ہو جاتی ہے صوفیہ کی تحلیل اسماء الٰہیہ تک پہنچتی ہے۔ ان کے پاس اسماء الٰہیہ مختلف نسبتوں سے مجتمع ہو کر حقیقت آم و جام پر تجلی خاص ڈالتے ہیں تو آم جام ظاہر و پیدا ہو جاتے ہیں عناصر کہاں ہیں۔ آم و جام میں چھپ گئے ہیں۔ اسماء الٰہیہ کہاں ہیں۔ تمام اشیاء میں مختفی ہیں۔ آم۔ جام ہیں یا نہیں ہیں۔ ہیں مگر مستقل و بالذات نہیں ہیں مستقل و بالذات عناصر ہیں اسی طرح ہم بھی ہیں۔ مگر مستقل و بالذات نہیں۔

ذرا فلاسفر سے پوچھو وہ کیا کہتا ہے۔ یہ عناصر بھی کوئی مستقل شے نہیں۔ ہیولیٰ و صورت مستقل ہیں یا ایتھر کے دقائق اصل ہیں یا اصل مادہ ہے اور یہ سب کچھ مادے کی رنگا رنگیاں ہیں۔ شہودی صوفی سے پوچھو۔ وہ کیا کہتا ہے۔ اسماء و صفات اصل ہیں یا علم و قدرت اصل ہیں یا عدم پر حقیقت اسمائی کا پرتو ہے۔ وجودی صوفی سے سوال کرو وہ کیا کہتا ہے۔ صرف ایک ذاتِ حق اصل و حقیقت ہے مستقل و بالذات ہے۔ عالم اور عالم میں جو کچھ ہے صرف ذات حق کے مظاہر ہیں۔

کیمیا داں، فلاسفر، شہودی وجودی ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو آم کو جام کہتا ہو شاخ کو تنہ، پھول کو پھل کہتا ہو۔ ہرگز نہیں۔ جہالت مآب ہیں سفاہت انتساب ہیں جو ایسا کہتے ہیں ہر معنے ہر حقیقت اپنے مقام پر صحیح ہے حق ہے۔ ہر شے کو اس کا حق ادا کرنا ضرور ہے۔ اگر تم اس کا حق ادا

نہ کروگے تو وہ خود زبردستی اپنا حق حاصل کرلے گی۔ کچلے کو جدوار سمجھ کر کھالو۔ دیکھو وہ اپنا حق حاصل کرے گا۔ سنکھیے کو کھڑی کہکر کھاتو لو دیکھو کیا مزا ملتا ہے۔ سانپ کو عورتیں رات کے وقت رسّی کہتی ہیں مگر اس رسّی کو زرا ہاتھ تو لگاؤ۔ دیکھو کیا تماشا ہوتا ہے۔ یہ رسی گلے کا ہار ہو جاتی ہے۔ چھوٹا کم سمجھ بچّہ بھی خوش ذائقہ شیریں آم پر دوڑتا ہے اور تلخ بدمزہ دوا سے بھاگتا ہے۔

بڑا ہی بدتمیز ہے جو ان حقائق سے انکار کرتا ہے۔ اس کو قوانین شرعیہ کی مخالفت سے پہلے قوانین نوامیس طبیعت کی مزاحمت پر کمر ہمت باندھنی چاہیئے۔ قانون سلطنت کی مخالفت اس کو خوب پٹوا کر اور قید سخت میں ڈال کر اس کی آنکھوں سے اس بدتمیزی کا پردہ اُٹھائیگی اور ناموس طبیعت کی مزاحمت اسے پانی میں ڈبو کر مار ڈالے گی یا آگ میں جلا کر پھونک دیگی۔

یقین رکھو کہ وہ قوانین شرعیہ کی مخالفت کرے گا تو خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہو جائے گا۔ ہر شے کی ایک حقیقت ہے اور ہر حقیقت کے جدا آثار۔ ہر مرتبے کا ایک حکم ہے۔ مستحق کو اس کا حق نہ دینا ظلم ہے، ظلم ظلمت ہے اور تعدی ضلالت ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

جب خارج میں سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں تو کیا ہم سب موجود فی الخارج نہیں ہیں کیا تم اپنے اردگرد کی چیزیں نہیں دیکھتے۔ بے شک دیکھتے ہو۔ یہ سب چیزیں تمھارے علم و خیال سے خارج ہیں۔ لہذا تم سے خارج میں موجود ہیں مگر تم اور تمھارے اردگرد جو کچھ ہے وہ علم الٰہی میں ہے لہذا تم اور تمھارا ماحول جو تم سے خارج میں ہے۔ علم الٰہی سے خارج اور قائم بذات خود نہیں ہے تو کیا یہ سب خیالی چیزیں ہیں؟ ہاں بیشک۔ خیالی تو کیا علمی چیزیں ہیں مگر یہ خیال یا علم تمھارا نہیں۔ خدائے تعالیٰ کا ہے جس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ تم کو تمھارے خیال پر قابو ہے مگر اپنے پر قابو نہیں۔ کیونکہ تم خدا کا علم یا ارادہ یا خیال ہو ؎

تماشا گاہ ہے عالم کسی اُستاد کامل کا
یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

میں نے رسالہ النور میں ایک مضمون معنون بہ ”ایک میرا خیال“ دیا ہے۔ اس میں اس کی تفصیل کی ہے۔ میں آخر میں اقانیم ثلثہ یعنی اصول سہ تکوین باپ۔ بیٹا۔ روح القدس اور خدا مادہ اور روح سے بھی تھوڑی سی بحث کرنے کو مناسب سمجھتا ہوں جس کے سمجھنے میں

ہزارہا عقلا حیران و سرگرداں ہیں۔

باپ سے مراد ذات حق ہے جس کے فیض اقدس سے بیٹا یعنی عین ثابتہ علم الٰہی میں ظاہر ہوا ہے۔ چونکہ ہر عین ثابت کے لئے ایک تجلی جو اسماء الٰہیہ کے بہ نسبت خاصہ مجتمع و گرہ کھانے سے متجلی ہے خاص ہے۔ لہٰذا اس تجلی خاص کو جس کے بغیر آثار وجود و حیات و علم و قدرت ظاہر ہی نہیں ہوتے، روح القدس سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ لوگ اگر حقیقت مسئلہ سے واقف ہوتے تو اقانیم ثلٰثہ کو مستقل نہ سمجھتے۔ نہ بیٹے کے معنٰی جسمانی بیٹے کے سمجھتے۔ نہ بیٹے ہونے کو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے خاص سمجھتے اس قول کے معنی بھی ان کی سمجھ میں آتے۔ "اے ہمارے آسمانی باپ"۔ یہی حقیقت جیو۔ مادّسے۔ خدا کے قائلین کے مذہب کی ہے۔ روح سے مراد اسم خاص متجلی ہے۔ مادّے سے مراد عین ثابتہ۔

بعض لوگ آکاش یعنی خلو کے بھی قائل ہیں۔ اس سے مراد وسعت علم الٰہی ہے جس میں عین ثابتہ نمایاں ہے۔ میں آئندہ بیان کروں گا کہ تمام عوالم علم الٰہی کے اطوار ہیں۔ ہم جس طرح پہلے علم الٰہی میں تھے، اب بھی علم الٰہی میں ہیں۔ مگر علم الٰہی کے مختلف اطوار و مواطن ہیں۔ ہر موطن کے جدا احکام ہیں اور ہر مقام کے مختلف آثار ہیں۔

حسرتؔ

نمودِ جنبشِ نوک قلم ہیں ساری تحریریں
عوالم کیا ہیں علم ذات کی ہیں چند تفسیریں

وہم و فرض و اعتبار

واضح ہو کہ وہم و فرض و اعتبار کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۱) اختراع محض یعنی بے سر و پا من گھڑت بات جس کا منشاء کچھ بھی نہ ہو جیسے انیاب اغوال یعنی غول بیابانی کے دانت گدھے کے سر کے سینگ۔ گھوڑے کے پر۔

(۲) دوم ایسی شے جو خارج میں مستقل وجود نہیں رکھتی، مگر اس کا ایک منشاء اور منتزع عنہ ہوتا ہے یعنی خارج میں ایک مستقل شے ضرور ہوتی ہے، جس سے اس غیر مستقل شے کو انتزاع کرتے اور سمجھتے ہیں جیسے ہم آسمان زمین کو دیکھ کر فوقیت و تحتیت کے معنے انتزاع کرتے ہیں اور آسمان کو اوپر زمین کو نیچے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خارج میں صرف آسمان و زمین ہیں۔ مگر اس میں بھی کیا شک ہے کہ انھیں سے فوقیت و تحتیت منتزع کی گئی ہے۔ ایسی شے وہی نفس الامری اور اعتباری و واقعی کہلاتی ہے۔ نہ کہ وہمی اختراعی۔ ذرا غور کیجئے کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو دن کو روشن اور رات کو تاریک نہ سمجھتا ہو یا آگ کو گرم اور برف کو سرد نہ سمجھتا ہو یا باپ کو بیٹے سے چھوٹا اور جز کو کل سے بڑا جانتا ہو۔ مگر ہیں یہ سب اعتباری۔ انتزاعی، فرضی۔ وہمی مگر ہرگز ہرگز اختراعی۔ من گھڑت۔ جھوٹ نہیں ہیں۔ سوفسطائی نادان اور صوفیہ اولٰئک هم الفلاسفة حقاً میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ ہر چند کہ دونوں کہتے ہیں کہ "وجود اشیاء وہمی و فرضی ہے" مگر سوفسطائی کی نظر منشا تک نہیں جاتی۔ لہٰذا وہ ہر شے کو وہمی یعنی اختراعی سمجھتے ہیں اور صوفی کی نظر منشا یعنی ذات سے نہیں ہٹتی۔ لہٰذا وہ ان کو وہمی یعنی انتزاعی حقیقی کہتے ہیں۔

طالب علمانہ لفظی جھگڑوں سے گفتگو کا مزا۔ جذبات کی تباہی ہو جاتی ہے۔ ہر مقام کی ایک عبارت ہوتی ہے۔ ایک طرز بیان ہوتا ہے۔ جو منطقی عبارت قیود کی تحقیق جامع مانع ہونے کے مباحث سے جدا ہے۔ لکل مقال مجال

رعایت اقتضار

واضح ہو کہ ایک مقام کے اعتبار کو دوسرے مقام کے اعتبار سے متصادم ہونے نہ دینا۔ مابہ الاشتراک کے کمال حضور کے وقت مابہ الامتیاز کا حق ادا کرنا ہر حقیقت سے اس کے اقتضار کے مطابق سلوک کرنا۔ اسلامی تصوف کا خاصہ ہے۔ ذرا سی غفلت کی جائے تو یا شرک ہو جاتا ہے یا زندقہ والحاد۔ ایک طرف کھائی ہے۔ ایک طرف خندق۔ یہ راستہ دم شمشیر سے زیادہ باریک ہے خدا ہی پار اتارے۔

تمام بزرگانِ دین کی کتابیں رفع قیود و کشفِ حجب و التفات الی الاطلاق سے بھری ہوئی ہیں اور تمام اساتذۂ فن جہلا و سفہا نہیں۔ بلکہ اہل علم صاحبِ تمیز تنزیہ پر زور دیتے ہیں۔ توحید پر اہمیت ظاہر کرتے ہیں۔

دیکھو اس کی وجہ یہ ہے کہ محسوسات کی طرف تمام لوگوں کی توجہ ہے اور اس قدر قوی توجہ ہے کہ غیر محسوس سے اگر انکار نہ بھی ہے تو غفلتِ عظیم تو ضرور ہے۔ ایسی حالت میں ان کا غیر محسوس اور مطلق کی طرف توجہ دلانا۔ توحید وجودِ حقیقی کی تاکید کرنی کچھ بے جا نہیں۔ جو برف میں اکڑ گیا ہو۔ اس کو آگ سے سینکنا عین حکمت ہے۔ ایسے شخص کو دن بھر آفتابِ عالمتاب کے زیرِ ضوء پڑا رہنے دو۔ اچھا ہو جائے گا تو وہ خود اپنے پیروں چلا آتے گا۔

ایک اور بات کا لحاظ رکھو۔ اکیلے میں عقیدات کے کوئی حقوق متعلق نہیں ہوتے ایسی حالت میں صرف مطلق کی طرف توجہ ہمارا فرض ہے۔ جب لوگوں سے ملو۔ ان سے مخالفت کرو تو بغیر غفلت عن الحق و اعراض عن اللہ ادائے حقوقِ خلق و توجہ الی الاسماء کرو جو دونوں پلے میزان کے برابر رکھتا ہو۔ جس کا ناپ تول بالکل صحیح ہو اور ویل للمطففین میں داخل نہ ہو۔ اس کے کیا کہنے ہیں۔ وہ محمدی ہے جانشین نبی ہے۔ مگر میں تو اس شخص کو بھی بہتر سمجھتا ہوں۔ جو فرطِ محبت و جوشِ الفت میں مجنوں ہو گیا ہو اور اذکروا اللہ حتیٰ یقولوا مجنون کا مصداق بن گیا ہو۔ حق کا پلہ خلق کے پلے سے بھاری کر دیا ہو بہ نسبت ان ظالمین کے جن کی زبان پر اللہ کا لفظ تو کیا جن کی ڈکشنری میں لفظ گاڈ بھی نہ ہو۔ خدا کو مولویوں کا ڈھکوسلا سمجھیں۔ مغالطات کی مثالوں میں قرآن شریف کی آیتیں پیش کریں اور بحثِ تصفیۂ حقوق میں باوجود خود کے اسلامی نام رکھنے کے وجہ ترجیح غیر مسلم ہونا بتلائیں۔ کانفرنسوں سے تحریک کرائی جائے کہ سرکاری مدارس سے مذہب کی تعلیم اٹھا دی جائے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر

چوں کہ اسمِ متجلی اور عینِ ثابتہ کا مسئلہ ذرا نازک ہے۔ لہٰذا اس کو میں پھر ایک گونہ

تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ اس سے کسی خدا کے بندے کو سمجھنے میں مدد ملے۔

ذات و وجودِ حق اور اسماء و صفات حق میں حقیقۃً۔ بالذات۔ بالاستقلال ہونے اور احدیت کا لحاظ ہوتا ہے اور ذات، وجود اور کمالات ممکن میں بالعرض۔ بالاعتبار اور کثرت کا لحاظ ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ ترکیب و اجتماع صفات و اسماء الٰہیہ سے نسبتیں ہوتی ہیں۔ ان نسبتوں کو دو اعتبار لاحق ہوتے ہیں۔ نسبت و ترکیب سے ایک حقیقت و ماہیت و طبیعت کا تقرر معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت ممکنہ و عین ثابتہ کہلاتا ہے۔ خود یہ نسبت و ترکیب جس پر حقیقت ممکنہ کا قیام ہے۔ حقیقت الٰہیہ و اسم الٰہی کہلاتی ہے۔ جب اس حقیقت و عین ممکنہ کے مطابق حقیقت الٰہیہ یا اسم خاص کا ظہور ہوتا ہے۔ تو یہ اعتباری یا بالعرض شے عین خارجی کہلاتی ہے اور اس پر آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں۔

مثلاً پانی ایک حقیقت اعتباری و موجود بالعرض شے ہے۔ پانی کا قیام ہیڈروجن و آکسیجن کی نسبت خاصہ پر ہے۔ یعنی دو حصے ہیڈروجن ایک حصہ آکسیجن۔ کیمیا دان آکسیجن و ہیڈروجن کے مختلف نسبتوں سے پیدا ہونے والے مختلف حقائق کو جانتا ہے۔ مثلاً پانی ہیڈروجن پر آکسیڈ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ عین ثابتہ مخلوقات و حقائقِ ممکنہ کی مثال ہے اور یہ نسبتیں جن پر حقائق ممکنہ کا قیام ہے حقیقت الٰہیہ یا اسم خاص یا تجلی خاص کی مثال ہے۔ جب کیمیا داں پانی کی حقیقت کے مطابق دو حصے ہیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ملا دے تو پانی جو خیالی و علمی چیز تھی حقیقی واقعی شے ہو جائیگی۔ اور اس وقت اس کو خارجی پانی کہیں گے اس وقت پیاس بجھانے درختوں کو سرسبز رکھنے کی صفت اس [illegible] رجوع ہوگی۔ دیکھو کیمیا داں کے علم میں پانی کی حقیقت ہے۔ ہیڈروجن و آکسیجن کی ۲ و ۱ کی نسبت ہے۔ خارج میں آکسیجن و ہیڈروجن ہیں۔ پانی بھی خارجی شے [illegible] ہوتا ہے۔ ان میں سے اسماء الٰہیہ کی مثال ہیڈروجن

وآکسیجن ہیں۔ ان میں کی باہمی نسبت۔ اسم خاص یا حقیقۃ الٓہیہ کی مثال ہے۔ پانی عین خارجی کی مثال ہے۔

دیکھو! ظاہر میں پانی معلوم ہوتا ہے جس کا قیام نسبت خاصہ آکسیجن و ہیڈروجن پر ہے خود یہ نسبت ہیڈروجن وآکسیجن سے قائم ہے۔

کیا پانی حقیقی شے ہے؟ عامۃ الناس کہیں گے۔ بے شک حقیقی شے ہے۔ ہم اس کو پیتے ہیں۔ ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں۔ کیمیا داں سے پوچھو وہ تو کہتا ہے کہ حقیقی شے صرف ہیڈروجن وآکسیجن ہے۔ فلاسفر سے پوچھو۔ وہ کہتا ہے۔ مادّہ ہے۔ شہودی سے پوچھو وہ کہتا ہے اسمار الٓہیہ ہیں۔ وجودی سے پوچھو وہ کہتا ہے۔ صرف ذات حق ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہیڈروجن وآکسیجن اور پانی میں کون معقول وعلمی شے ہے اور کون مشہود ومحسوس۔ ظاہر ہے کہ پانی ایک نمائش وانتزاعی شے ہے اور ہیڈروجن وآکسیجن حقیقی وخارجی اشیا ہیں۔ لہذا پانی معقول اور اس کے عناصر محسوس ہیں۔ اسی طرح مخلوقات معقولی ہیں اور اسمار الہیہ محسوس۔ غور کرو تو اسمار الٓہیہ بھی انتزاعی ومعقولی ہیں اور حق محسوس ومشہود ہے۔ مگر ہماری نظر پر غفلت کا پردہ پڑگیا ہے کہ معقول کو محسوس اور محسوس کو مشہود سمجھتے ہیں۔ اللھم ارنا حقائق الاشیاء کماھی۔

یہاں ایک لطیفہ ہے کہ وجود حقیقی بے کیف وبے رنگ اور بے چون وچگونہ ہے۔ مگر ہے خارج میں۔ لہذا جو صورت اس میں نمایاں ہوگی خارج میں معلوم ہوگی۔ بعض پرندے آئنہ میں اپنی صورت دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ آئینے میں کوئی پرندہ ہے اور اس سے لڑتے ہیں۔ بعض بچے آئینے میں اپنی صورت دیکھکر سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی بچّہ ہے اور اس کو پیار کرتے ہیں۔ بعض ہوشیار بچّے آئینے میں دیکھتے رہتے ہیں جب کوئی ان کے پیچھے آکر اپنا عکس آئینے میں ڈالتا ہے تو پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آئینے کی یہ صورت نہیں صورت کسی اور جگہ سے آرہی ہے۔ یہی حال نادان کا ہے کہ کسی صورت کو وجود خارجی میں دیکھتا ہے تو

سمجھتا ہی کہ صورت موجودہ بوجود خارجی ہی۔ مگر عارف سمجھتا ہی کہ صورت موجود فی الخارج نہیں بلکہ وہ علم سے آئی ہی۔ بلکہ علم ہی میں ہی۔ اور خارج میں صرف وجود خارجی ہی۔ تماشا یہ ہی کہ میں اپنے آپ کو دیکھ نہیں سکتا۔ نہ خود آئینے کو دیکھ سکتا ہوں۔ اگر آئینہ نظر آجائے تو وہ آئینہ ہی نہیں ہی۔ بلکہ وہ شیشہ کا ٹکڑا ہی۔ غرض کہ حقیقت یہ ہی کہ اول آئینہ نظر آتا ہی۔ پھر اس کے توسط سے صورت نظر آتی ہی۔ مگر واہ رے آئینے تو نظر آتا ہی اور پھر نظر نہیں آتا۔ یہ کیا

یا وجود انت الموجود وما سواك مفقود ؎ حسرت

جو نہو اسی کی نمود ہو نہ نمود اصل وجود ہو   کوئی کیا بتائے کمال جو ہی خیالِ شعبدہ بازیں

ولہ

خود نہاں اور عیاں اس سے تما نماے جہاں   حیرت انگیز ہی پیدائی کا نہاں ہونا

اب میں چند معرکۃ الآرا مسائل بیان کرتا ہوں جو بعد تحقیق نزاع لفظی نکلتے ہیں اور ان کا محل صحیح معلوم ہوجاتا ہی۔ یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ اکثر حضرات کو دوسروں کے اقوال کی تردید میں مزا ملتا ہی۔ محل صحیح کی طرف تاویل کر لینے میں نزاع ختم ہوجاتی ہی۔ اس لئے اس کو وہ پسند نہیں کرتے۔

یہ بھی اکثر ہوتا ہی کہ دونوں صاحبوں کی نظریں مختلف محل پر پڑ رہی ہیں۔ ہر ایک دوسری کی تکذیب کرتا ہی۔ حالانکہ بجز دوسرے کی تکذیب کے دونوں محقق ہیں۔ صادق ہیں۔

ذات و وجود بعض کہتے ہیں ذاتِ واجب اور ذاتِ ممکن۔ نیز وجودِ واجب اور وجودِ ممکن بالکل جدا ہیں۔

یہ مذہب بھی حق ہی۔ وہ واجب تعالیٰ کے لئے وجود بالذات اور ممکن کے لئے وجودِ بالعرض لیتے ہیں۔ مرجح خیر ذاتِ حق اور مرجح شر ذاتِ ممکن لیتے ہیں۔ کسی حق پرست صوفی کو اس سے انکار نہیں۔ اس کا محل عالم خلق ہی۔ خواہ مجردات ہوں یا امثال یا محسوسات۔ دیکھو میں اپنے بچوں سے بڑا ہوں ان سے پہلے پیدا ہوا ہوں۔ پیدا ہونا وجود

نہیں تو کیا ہے۔ میری ذات میرے بچوں کی ذاتیں جدا جدا ہیں۔ ان پر جدا جدا آثار مترتب ہو رہے ہیں۔ میں بڑا ہوں وہ چھوٹے ہیں۔ میں باپ ہوں۔ وہ بچے ہیں۔ آخر ذات مرجع صفت ہی کو تو کہتے ہیں۔ پھر ممکن کا بالغیر وجود اور باطل و اعتباری ذات اور واجب کا بالذات وجود اور ذات حقہ کیوں کر ایک ہو سکتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ ذات واجب و ذات ممکن دو جدا جدا امور ہیں۔ مگر وجود ایک ہی ہے ان حضرات کا مقصد یہ ہے کہ مرجع محامد ذاتِ حق اور مرجع نقائص ذاتِ ممکن کو سمجھیں عیوب و نقائص کو ذاتِ حق کی طرف نسبت نہ کریں۔ یہ لوگ وجود سے وجودِ حقیقی و بالذات مراد لیتے ہیں۔ یہ مرتبہ واحدیت کا اور علم کا ہے۔ علم الٰہی فعلی تفصیلی میں تمام حقائق ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ مگر موجود فی الخارج اور مترتب علیہ آثار نہیں ہیں۔ یہ لوگ وجود خارجی کو وجود کہتے ہیں اور وجود علمی کو ثبوت۔ وجود کے ثابت فی علم اللہ ہونے کو موجود فی الخارج ہونا اور مترتب علیہ آثار ہونا ضرور نہیں۔

بعض شیوخ ایک ہی ذات کے قائل ہیں۔ جو عین وجود ہے۔ ان کی نظر عالی مرتبت مرتبۂ احدیت تک پہنچ رہی ہے۔ وہ ذات سے ذاتِ حقہ اور وجود سے وجود بالذات مراد لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وجود بالذات عین ذات واجب ہے۔ ان کی حقیقت پسند نظر نہ ذاتِ بالعرض پر پڑ رہی ہے۔ نہ وجود بالعرض پر۔ ان کا جو مطمح نظر ہے اس میں ممکن کو دخل ہی نہیں ہے۔ ان کا مقصود ایک ذات ہے جو خود ہی موجود ہے۔ خود ہی وجود ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ ضد۔ نہ ند۔ ؎

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تو صورت دکھا سکے

یہ ہمیشہ خیال رکھو۔ کہ تناقض میں ایک ہی اعتبار ہونا ضرور ہے۔ اگر ایک شخص ایک اعتبار سے حکم لگائے اور دوسرا دوسرے اعتبار سے نفی کرے تو حقیقۃً دونوں میں تنازع یا

تناقض نہیں۔ جیساکہ زید گھر میں ہی اور بازار میں نہیں ہی۔ زید عمرو کا بیٹا ہی۔ بکر کا بیٹا نہیں ہے۔ زید خالد کا سالا ہی اور ولید کا بہنوئی ہی۔ ان میں کیا تناقض ہی؟

چند معرکۃ الآرا مسائل

اور سنو جس نے یہ کہا کہ اعیان ثابتہ علماً و خارجاً مجعول ہیں۔ وہ جعل کے معنے احتیاج کے لیتا ہی۔ اعیان ثابتہ وجود علمی و خارجی دونوں میں۔ واجب تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ علم اور معلومات جو علم میں ہیں۔ ضرور عالم کی ذات کے محتاج ہیں۔ انتزاعیات ہمیشہ اپنے منتزع عنہ اور منشا کے محتاج رہتے ہیں۔

جس نے یہ کہا کہ اعیان ثابتہ علماً مجعول نہیں۔ خارجاً مجعول ہیں۔ وہ معلومات کو جو علم میں ہیں اور قبل کُن ہیں مجعول نہیں سمجھتا۔ جب اعیان ثابتہ سے کُن متعلق ہو جاتا ہی تو وہ مجعول کہتا ہی۔ اصل میں وہ جعل کے معنے خلق کے لیتا ہی۔ ظاہر ہی کہ کُن کے بعد آثار مترتب ہونگے اور وجود خارجی عطا ہوگا اور مخلوق پیدا ہونگے۔ حاصل یہ کہ علم کا مرتبہ قدرت۔ ارادہ اور کلام سے مقدم ہی۔

جس نے یہ کہا کہ اعیان مطلقاً مجعول نہیں …… وہ بھی کب غلط کہتا ہی۔ ظاہر ہی کہ علم الٰہی و معلومات حقہ حادث نہیں بلکہ علم و قدرت کا مجموعہ جو ایک اعتباری امر ہی حادث ہی۔ اس کی رائے میں ممکن نے حال وجود میں بھی اپنی عدمیت اصلی سے باہر قدم ہی نہیں رکھا۔ نہ وہ موجود ہوا یعنی وجود خارجی لیا۔ ورنہ انقلاب حقائق لازم آئے گا۔

جو جعل بسیط کا قائل ہے وہ فیضِ اقدس سے علم الٰہی میں ظہور عین ثابتکی طرف توجہکرتا ہے

جو جعل مرکب کا قائل ہی اور جعل کے معنے ماہیت سے وجود کے ملنے کے لیتا ہی وہ فیض مقدس کی طرف نظر کر رہا ہی۔ کیوں کہ معلوم الٰہی کو موجود ہونا اور منشا آثار ہونا ضرور نہیں۔ بلکہ عین ثابتہ سے وجود حقہ کا ملنا ضرور ہی۔ جو صفات الٰہیہ کا قائل نہیں وہ

صفات کے انضمامی یا بذات خود مستقل ہونے سے انکار کرتا ہی۔ جو قائل اسماء و صفات ہی وہ ان کو انتزاعی سمجھتا ہی۔ جو بندے کو مختار و باقدرت سمجھتا ہی۔ وہ پست نظر ہی۔ عالم شہادت کو دیکھتا ہی۔ اور پرتوِ قدرت الٰہی کو عین ثابت پر نہیں دیکھتا ہی۔

جو بے قدرت و غیر مختار سمجھتا ہی وہ ممکن و عین کی عدمیت ذاتی کو دیکھتا ہے اس کی نظر فنائیت والی ہے۔

جو نہ مجبور سمجھتا ہی نہ مختار وہ حال جمع و بقاء میں ہی کہ اس کی نظر اطلاق و تقیید دونوں پر پڑتی ہی۔ اور وہی اکمل ہی اور حکمت الٰہی کا لطف اٹھاتا ہی۔

اسی طرح جو رویۃ الٰہی کا قائل ہی وہ تجلیات مثالیہ کی طرف نظر کرتا ہی۔ فلما رای من جانب الطور ناراً۔

جو رویت کو ناممکن سمجھتا ہی۔ وہ تنزیہ کنہِ ذات کرتا ہی۔ اس کا انکار تجلیات کرنا صرف غلط ہی۔ لیس کمثلہ شیئ۔ لا تدرکہ الابصار

جو تشبیہ و تنزیہہ دونوں کرتا ہی۔ وہ صاحب تحقیق ہی۔ وہ حق کا رفیق ہی۔ ہر تجلی کو حق سمجھتا ہی۔ اور پھر ذات کو مطلق جانتا ہی۔

وجود میں چھ مذاہب

ان تمام مذاہب و اختلافات کا حاصل یہ ہی کہ جن لوگوں کی نظر عالم شہادت سے اوپر نہیں اٹھتی۔ وہ ذات و وجود حق کو ذات و وجود ممکن سے بالکل جدا سمجھتے ہیں۔ یہ اکثر علماء ظاہر کا مذہب ہی۔ مگر اس مباینت محضہ کے مذاہب والے بھی ممکن کو ہر آن ہر لحظہ ذات وجودِ حق کا محتاج اور ذات حق کو اس کا قیوم سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ کو ہر ممکن کا علماً محیط جانتے ہیں۔ نیز صفات کمالیہ کو ذاتِ حق میں بالذات سمجھتے ہیں۔

جن لوگوں کی نظر صفاتِ الٰہیہ و عالم شہادت دونوں پر پڑتی ہی اور ممکنات و مخلوقات میں کوئی شے اصلی نہیں پاتے بلکہ سب کو اظلال کمالات الٰہیہ پاتے ہیں اور ممکن بذاتہ

موجود نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ ہر صفت الٰہی کے مقابل ایک عدم مانتے ہیں۔ مثلاً حیات کے مقابل موت۔ علم کے مقابل جہل۔ سمع کے مقابل صمم یعنی بہراپن یا ناشنوائی۔ بصر کے مقابل عمی یعنی نابینائی۔ قدرت کے مقابل عجز۔ ارادہ کے مقابل بے ارادتی یا جمود۔ کلام کے مقابل بکم و خرس یعنی ناگویائی۔ گونگاپن۔ ان اعدام میں اسماء الٰہیہ کا پرتو پڑتا ہے۔ تو یہ سب چیزیں یعنی ممکنات نمایاں اور مخلوق ہوتے ہیں۔ یہ حضرات اعیان ثابتہ و معلومات الٰہیہ کو موجود بہ وجود علمی نہیں جانتے۔ اس مذہب والوں کو شہودیہ و اہل شہود کہتے ہیں۔

جن حضرات کی نظر مرتبۂ احدیت تک پہنچتی ہے۔ وہ ایک ہی وجود ذات حق کو حق مانتے ہیں۔ وہ ماسوے اللہ کو معدوم بالذات سمجھتے ہیں۔ مگر ہر شے اور اس کے احکام کو اپنے اپنے مرتبے میں درست سمجھتے ہیں اور حفظ مراتب کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ مذہب وجودیہ کا ہے۔ یہ حکم فنا کی حالت میں ہے کہ سالک کی نظر ذاتِ حق و وجود مطلق کی طرف رہتی ہے جس میں ممکنات و مخلوقات کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا وہ اپنے اعتبار و مطمح نظر کے لحاظ سے حکم لگاتے ہیں۔

جن حضرات کو بقا نصیب ہوتی ہے۔ وہ کسی شے کو معدوم یا لایعنی نہیں سمجھتے ہر شے ان کے مذہب میں ثابت ہے۔ یعنی معلوم الٰہی ہے۔ جو اسماء الٰہیہ سے مرتبط ہے۔ حقیقت ممکن یعنی معلوم الٰہی اسم الٰہی سے۔ اسم الٰہی ذات الٰہی سے مرتبط۔ منتشی و نمایاں ہے۔ اگر حقیقت ممکنہ کو اسم الٰہیہ سے جو متجلی ہے۔ جدا خیال کرو تو وہ موجود فی الخارج نہیں۔ نہ منشاء آثار و احکام ہے۔ بلکہ صرف معلوم حق اور محض علم الٰہی میں ہے ممکنات کا منشاء آثار و موجود فی الخارج ہونا صرف علم کے اسماء و ذات سے ارتباط کے لحاظ سے ہے۔ ان کے مذہب میں علم الٰہی کے اطوار ہیں۔ تمام عوالم علم الٰہی کے مظاہر ہیں۔ عوالم اور عوالم میں جو کچھ ہے اور موجود فی الخارج معلوم ہو رہا ہے۔ وہ سب علم الٰہی میں ہے۔ بلکہ علم الٰہی ہی کا ایک کرشمہ و تجلی ہے مگر ربط اسماء و صفات کے ساتھ۔ یہ مذہب محققین صوفیہ کا ہے۔ جس کو مذہب علم یا مذہب اہل بقا،

یا جمع الجمع۔ یا جمع مع الفرق کہتے ہیں بعض اس کو شہود بھی کہتے ہیں۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

پانچواں مذہب وحدت الموجود کا ہے۔ یہ لوگ ما بہ الامتیاز کو خیال نہیں کرتے حقائق اشیاء کے قائل نہیں۔ احکام و آثار کو صرف مُنہ سے نہیں مانتے۔ آکر پڑتی ہے تو وہی کرتے ہیں جو اہل تحقیق کرتے ہیں۔ یاخانے کو کھانا سمجھ کر نہیں کھاتے۔ ایک صاحب ایسے بھی دیکھے گئے کہ کتے کا تھوک یہ کہکر کہ ایک وجود کا کرشمہ ہے چاٹ لیا۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ آگ میں گر کر مر جاتے اور قصہ پاک ہو جاتا۔ اصل یہ ہے کہ ان اشخاص کو بزرگوں کے اقوال سے مغالطہ ہوا ہے۔ بزرگانِ دین ماسوے اللہ کی اس لئے نفی کرتے ہیں کہ لوگ ماسوی کو مستقل سمجھنے لگے ہیں۔ نیز ماسوی میں اس قدر انہماک و غفلت ہے کہ حقیقت حقہ کو بھول گئے ہیں۔ مانتے بھی ہیں تو صرف الفاظ میں۔ بزرگانِ دین ذات حق کی طرف توجہ دلاتے اور اس کو بالذات مستقل حقیقی موجود سمجھتے۔ ہر شے کو مرآۃ حق بنانے کے لئے کہتے ہیں کہ کوئی نہیں ہے تیرے سوا یا وجود انت الموجود وما سواک مفقود اس کے ہرگز یہ معنے نہیں کہ حقائق اشیاء باطل ہیں۔ احکام و آثار اور ما بہ الامتیاز غلط ہے یہ تو نرا زندقہ والحاد ہے۔ نعوذ باللہ منہا

چھٹا مذہب سوفسطائیہ کا ہے۔ وہ عالم کو نرا خیال سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اور تمام اشیاء کو وہمی سمجھتے ہیں۔ ان غریبوں کو معلوم نہیں کہ یہ سب نرا خیال نہیں۔ خدائے تعالیٰ کا علم ہے۔ جو ذاتِ حق سے وابستہ ہے۔ ماسوے اللہ کا غیر مستقل ہونا تو ان کو معلوم ہو چکا تھا۔ مگر افسوس وہ ذاتِ حق سے جو موجود بالذات ہے مستقل حقیقۃ ہے۔ جس سے سب کو ارتباط ہے۔ غافل رہ گئے اور حقیقت کی طرف ان کو راہ نہ ملی۔ ورنہ ان کا ایسا بے معنی خیال نہ ہو جاتا۔ افسوس انھوں نے اپنے زور خیال سے اپنی صورت شکل تک بدلی مگر تھوڑی دیر کے لئے۔ پھر وہی ڈھاک کے تین پات۔ کاش اپنے اس وہمی میں کو

مٹاتے تو حقیقی بیں کی جلوہ گری ہوتی۔ حقیقت کی طرف راستہ کھلتا۔ کاش یہ لوگ ذرا غور کرتے کہ عالم ہمارا اپنا شخصی خیال ہوتا تو زید کو دیکھ کر سب کے دل میں جو ایک مشترک خیال پیدا و ناشی ہو رہا ہی نہوتا۔ خواہ وہ ہم سے باہر ہو یا خود ہم میں ہو۔ خواہ ہمارے سامنے سے یہ خیال صورت پذیر ہو رہا ہو یا دلوں میں اوپر سے مترشح ہو رہا ہو۔ فوٹو کے دس آئینوں میں ایک ہی صورت آ رہی ہی۔ تو ضرور ان کے مقابل ایک شخص کھڑا ہوا ہی جو ان آئینوں کو اپنے آپ سے متاثر کر رہا ہی۔ سامنے گھوڑا کھڑا ہی۔ جو دیکھتا ہی۔ اس کو گھوڑا ہی خیال کرتا ہی۔ کوئی اس کو گدھا نہیں سمجھتا۔ میں نے تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا کہ گھوڑا ایک تخیل ہی۔ ہمارے ذہن کا عمل ہی۔ مگر ایک ہی آن میں ہر ایک کے ذہن میں پھر ایک ہی طور پر بلاکم و کاست ایک ہی تخیل کیوں پیدا ہوا۔ ان تمام خیال بازوں کے قریب کوئی ایک ضرور ہی۔ جو سب کے دلوں میں ایک ہی خیال کا ارتقا کرتا ہی۔

تماشا گاہ ہی عالم کسی استاد کامل کا
یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

کاش خود اس سے پوچھتے کہ اے خیالات سے ورا ء الورا، تو کون ہی؟ کیوں ہم کو ان واہی تباہی خیالات میں پابہ زنجیر بنا کر رکھا ہی۔ کیوں اپنی طرف ہم کو راستہ نہیں دیتا۔ تم اس کی تلاش میں سرگرم رہتے تو وہ مل جاتا۔ اور ضرور مل جاتا کیوں تم نے دعا نہ کی ؎

(حسرت)

رونقِ شانِ بے نشان نام و نشان میں بھی آ
زیبِ فضائے لامکاں اب تو مکاں میں بھی آ
جہل میں نور بن کے آ۔ شک میں سکون بن کے آ
بن کے یقین کی چمک وہم و گماں میں بھی آ

آنکھوں میں نور بن کے آ دل میں سرور بن کے آ
بن کے حیات جاوداں تو میری جان میں بھی آ
دل تو مرا ہی تیرا گھر پھر تو ہے میری جاں کدھر
رہتا ہے کیوں اِدھر اُدھر اپنے مکان میں بھی آ

افسوس تم کو اپنی اور دنیا کی بے حقیقتی تو معلوم ہو ہی گئی تھی۔ اس تخیل و تعقل نفس کو بے اصل اور بے کار سمجھ کر زرا تو خاموش رہتے۔ زرا تو سکون لیتے۔ خیال جاتا تو ذوالجلال آتا لا الٰہ الا اللہ الحق المبین۔ محمد رسول اللہ الصادق الامین۔

حسرت ؎

بے وجہ نہیں دل کشیِ صورتِ باطل
باطل میں بھی ہے حق کا تماشا مرے آگے
نیرنگیِ اشکال ہی نیرنگِ مرایا
سو رنگ میں ہے ایک ہی جلوا مرے آگے

ابطال باطل اور تحقیق حقیقت میں کوئی واسطہ نہیں۔ ابطال باطل کر چکے تھے تو تحقیق حقیقت میں دیر کیا تھی۔ عدم سے مُنھ پھیرا تھا تو وجود کی طرف بھی رخ کر لیتے اور نعرہ لگاتے۔

حسرت ؎

او مست شرابِ لاابالی
انظر اللہ کیف حالی
لن ابرح من فناءِ دارک
میں نے بھی تری قسم ہے کھالی
ہے پیشِ نظر خیال تیرا
ہر چند ہوں پیکرِ خیالی
اے ذاتِ تو مجمع الکمالات
میں بھی ہوں کمالِ بے کمالی

فرق مشاہدات بعض کی نظر صرف تعین و تشخص و عین پر رہتی اور ذات حق سے نسبت الی اللہ سے وجود مطلق سے کوئی غرض۔ اس کی طرف کوئی التفات نہیں رہتا۔ یہ شخص غافل۔ بعید عن الحق ہے۔

بعض لوگ ذات حق سے صرف بعض افراد کو مرتبۂ تجلی یا اس کا مرآۃ کمال سمجھتے ہیں یہ بھی کوئی صحیح مذہب نہیں۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر شے ذات حق سے وابستہ ہے مگر یہ بعض افراد میں اس نسبت کو محسوس اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی ضعیف و ناتواں ہیں۔

بعض لوگ پہلے تقیید عین و تشخص کو دیکھتے ہیں پھر وجودِ مطلق کی طرف اُن کی توجہ ہوتی ہے۔

بعض کی نظر وجودِ مطلق پر رہتی ہے۔ بوقت ادائے حق اعیان کی طرف رجوع کرتے ہیں

بعض کی نظر اطلاق و تقیید دونوں پر معاً رہتی ہے۔ ان کے کیا کہنے ہیں۔ کمال حضور ان کی صفت ہے۔ با ہمہ بے ہمہ یہی لوگ ہیں۔ خلوت در انجمن ان کا وصف ہے۔

چند نکات: (الف) وجودِ اعتباری کو اضافی، بالعرض، ممکن، عبودیت بھی کہتے ہیں۔

(ب) ممکن کا وجود بالعرض ہوتا ہے۔ لہذا ہر آن، ہر لحظہ وجود بالذات کا محتاج ہے۔ کیوں کہ وہ قیوم ہے۔

امدادِ وجود کو جو متعلق عالم ہے نفس رحمانی کہتے ہیں۔

پس عالم ہر لحظہ قہر احدیت سے فنا ہوتا ہے اور نفس رحمانی سے موجود ہوتا ہے اسی کو تجدد امثال کہتے ہیں۔

امدادِ وجودِ خاصہ کو جو متعلق مومنین ہے رحیمیت کہتے ہیں۔

جوہر۔ وہ ممکن ہے جو مستقل ہوتا ہے اور کسی محل یا موضوع میں نہیں پایا جاتا۔ یہ خیال حکما کا ہے۔

صوفیہ کے پاس سوائے وجود کے کوئی شے مستقل نہیں۔ جن کو حکما جوہر سمجھتے ہیں وہ بھی وجود کے اعراض یا صفات یا مظاہر ہیں۔

جوہر و عرض

حکما کے پاس جواہر و اعراض کو وجود عارض ہوتا ہے۔ صوفیہ کے مذہب میں وجود کو جواہر و اعراض عارض ہوتے ہیں یا وجود سے نمایاں ہوتے ہیں

عرض۔ وہ غیر مستقل ممکن جو کسی محل یا موضوع یا ذات میں ہوتا ہے۔ اس کے (۹) اقسام ہیں۔ کم[۱] (عدد)۔ کیف[۲] (کیفیت)۔ اضافت[۳] (نسبت) زمان[۴] (معیارِ حرکت) مکان[۵] (امتدادِ موہوم یا مفطور یا سطحِ مادّی) وضع[۶] (غیر اشیاء، اور باہم خود اس کے اجزا سے نسبت۔ ہیأت۔ شکل) ملک[۷] (یا جدت۔ خارجی اشیاء کے احاطے سے جو ہیأت حاصل ہوتی ہے) فعل[۸] (کسی شے کا دوسرے پر اثر کرنا) انفعال[۹] (دوسرے کے اثر و فعل کو قبول کرنا اور متاثر ہونا)

عالم ارواح

(الف) عالم ارواح کو عالم ملکوت و عالم امر بھی کہتے ہیں۔ عالم امر یا عالم ارواح، شکل، وزن، زمان و مکان سے پاک ہے۔ ارواح کا پیدا ہونا اور کمال کو پہنچنا تدریجاً نہیں بلکہ دفعۃً ہے۔ مگر ان میں امہات الصفات ضرور رہتے ہیں۔ غرض کہ روح عین ثابتہ و اسماء الٰہی سے رونما اور حادث ہے۔

(ب) خلق کے دو معنے ہیں:۔ (۱) احداث و ایجاد۔ اس معنی میں عالمِ شہادت و عالم ارواح دونوں شریک ہیں خلق بایں معنی ذات و اسماء و صفات حق کے مقابل ہے یعنی اسماء و صفات الٰہیہ غیر مخلوق ہیں اور ارواح و اجساد مخلوق (۲) احداث تدریجاً اس میں صرف عالم شہادت ہے۔ اس کے مقابل عالم امر ہے۔ جو ارواح سے متعلق ہے۔ ارواح مخلوق نہیں۔ تحت امر ہیں اور اجساد مخلوق ہیں۔

(ج) معیارِ تقدم و تاخر

تین ہیں۔ (۱) سرمد (۲) دہر (۳) زمان غیر حادث کو نسبت دیں تو سرمد ہے۔ مثلاً یہ کہیں کہ ذاتِ حق صفت حیات سے یا روح سے یا مشہودات سے متقدم ہے تو یہ تقدم سرمدی ہے۔

حادثِ غیر تدریجی کو نسبت دیں تو دہر ہے۔ مثلاً روح اعظم ارواح جزئیہ سے یا مشہودات

سے متقدم ہے۔ تو یہ تقدم دہری ہے۔

حادث تدریجی کو تدریجی سے نسبت دیں تو زمانہ ہے۔ مثلاً زید باپ عمرو بیٹے سے متقدم ہے تو یہ تقدم زمانی ہے۔

روح اعظم روح اعظم جس کے تمام ارواح مظاہر ہیں وہ روح محمدی ہے۔ اسی کو روح کل روح عالم۔ جانِ عالم۔ انانیت عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔

عین اعظم روح اعظم وجود سب جزئی حقیقی ہیں۔ ناقابل تکثر ہیں۔ ان کو ان کے مظاہر کے لحاظ سے ایک قسم کی کلیت عارض ہوتی ہے۔ بالعرض طور پہ کلی کے صادق آنے سے ان کے جزئی حقیقی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیوں کہ کلیت ایک اعتباری شے ہے۔ اس سے ان کا ذاتی تشخص زائل نہیں ہو سکتا۔ چاہو تو یوں کہو کہ وجود کے دو تشخص و تعین ہیں۔ ایک تعین ذاتی جو ہر حال میں باقی رہتا ہے۔ دوم اعتباری تشخصات جو بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً زید جزئی حقیقی ہے متعین ہے۔ اس کو بچپن، نوجوانی، جوانی، ادھیڑپن بڑھاپے کے لحاظ سے تعیناتِ مختلفہ عارض ہوتے ہیں تو کیا زید کلی اور اعتباری شے بن جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

عقل کل روح اعظم کو بہ اعتبار عالم، فاعل و موثر ہونے کے عقل کل (عقل محمدی) کہتے ہیں۔

نفس کل روح اعظم کو باعتبار معلوم یا منفعل یا متاثر ہونے کے نفس کل یا نفس عالم یا نفس محمدی کہتے ہیں۔

طبیعت کل عقل کل و نفس کل کے ملنے اور ان کے امتزاج سے طبیعتِ کل (طبیعت عالم یا طبیعتِ محمدی) بنتی ہے۔

عقل کل کو قلم اور نفس کل کو لوح بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ علم الٰہی کا پرتو عقل کل پر پڑتا ہے اور وہاں سے نفس کل میں نمایاں ہوتا ہے۔

روح جزئی ہر ذرہ کی ایک جزئی روح ہوتی ہے۔ وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ اور ذرات جب ایک اجتماعی حالت پیدا کرتے ہیں اور ان کے امتزاج سے ایک طبیعت خاص پیدا ہوتی ہے۔ تو ایک روح خاص ان سے متعلق ہوتی ہے۔ جس طرح یہ طبیعت ان ذروں میں ترتیب خاص پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح اس طبیعت کی روح ان ذرات کی روح پر حاکم رہتی ہے۔

ادراک دو قسم کا ہوتا ہے۔ احساسی و غیر احساسی۔ ادراک احساسی تخیل پر مبنی رہتا ہے۔ تخیل ہی شادی و غم کا منشا ہے۔ غیر احساسی ادراک فرح و ترح شادی و غم سے دور ہے۔ حضرتِ انسان میں احساس و تخیل ہے تو عذاب و ثواب رنج و غم اس کے دامن گرفتہ ہیں فرشتوں بلکہ خود ارواح اعضاء انسان کو علم ہے مگر نہ تخیلی و احساسی لہذا نہ ان سے عذاب کا تعلق ہے۔ نہ ثواب کا۔

بعض لوگ علم حساسی کو علم جزئی اور علم غیر احساسی کو علم کلی کہتے ہیں۔ خواہ غیر احساسی علم کسی جزئی ہی کا ہو۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح

غیر متعلق بانتظام عالم مہیمین یا کرّوبی و فرشتے ہیں جو عباداتِ خاصہ میں ازلاً وابداً مشغول ہیں۔ ان کو انتظام عالم سے کوئی تعلق نہیں۔

متعلق اجسادِ عالم۔ اجساد کی تفصیل عالم شہادت میں آئے گی۔

ملائکہ اولوالعزم۔ تمام عالم میں صفات الٰہیہ کا ظہور ہے۔ مگر بتوسط عین اعظم و روح اعظم و ملائکہ اولوالعزم جو تمام اہل عالم پر پرتو فگن ہوتے ہیں۔ مثلاً علم کا مظہر ملائکہ میں جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ تو ہر شخص میں قوتِ علمی یا قوت جبرئیلی کا ایک مرکز جزئی ضرور ہے

ملائکہ اتباع اولوالعزم۔ ملائکہ اتباع اولوالعزم وہ فرشتے ہیں، جو اولوالعزم فرشتوں کے تابع اور معین و مددگار ہیں۔

عالم مثال (الف) عالم مثال میں امتداد، صورت، شکل رہتی ہے امتداد کی

وجہ سے مثل مکان کے معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ مکان سے پاک ہے۔

(ب) خیال دو قسم کا ہوتا ہے:۔ (۱) خیالِ متصل یا خیالِ مطلق۔ جو ہمارا بے منشاء، بے اصل اختراعی اور من گھڑت خیال ہے۔

(۲) خیال منفصل یا خیالِ مقید۔ عالم کا با منشا، حقیقی اور صحیح خیال ہے۔ اسی کو عالم مثال یا برزخ اول کہتے ہیں۔

کشف یا مثال کا نظر آنا دو قسم پر ہے۔ (۱) صحیح (۲) غلط

صحیح بھی دو قسم پر ہے (ا) حقیقی صورتیں جیسے رویائے صادقہ ہیں کہ واقعہ من وعن نظر آجاتا ہے (ب) مجازی صورتیں۔

مجازی صورتیں بھی دو طرح ہیں (ایک) نفس کی طرف سے بلا زیادت و نقصان (دوم) نفس کی طرف سے بزیادت و نقصان۔

جو کشف و خواب مجازی صُوَر میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ تعبیر دینے والے معنے بیان کرنے والے کو دیکھنے والے کے حالات و محاورات وغیرہ سے واقف ہونا ضرور ہے۔

ابن سیرینؒ کے پاس ایک شخص آیا اُس نے اپنا خواب بیان کیا کہ وہ اذان دے رہا ہے ابن سیرینؒ نے تعبیر دی کہ وہ حج کرے گا۔ اس کا ماخذ واذان من اللہ ورسولہ یوم الحج الاکبر ہے۔ ایک دوسرے شخص نے بھی ایسا ہی خواب بیان کیا تو فرمایا کہ تو چوری کرے گا پکڑا جائے گا اس کا ماخذ واذن موذن ایتھا العیر انکم لسارقون۔ میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ اُنھوں نے اپنے باپ کو اذان دیتے خواب میں دیکھا ہے۔ ان کے باپ بہت بوڑھے اور مرد صالح تھے۔ میرے دل میں اس کی تعبیر میں یہ شعر آیا۔

اَذَنَتْنَا بِبَینِھَا اَسْمَاءُ رُبَّ ثَاوٍ یُمَلُّ مِنْہُ الثَّوَاء

یعنی یہ اطلاعِ موت تھی۔ اس کے چند ہی روز کے بعد ان کا انتقال ہو گیا

غلط خواب یا کشف۔ اضغاث احلام من گھڑت واہی تباہی خیالات ہوتے ہیں۔ یہ یاد رکھو

کہ نفس جس قدر مہذب بے خواہش اور ساکن ہوگا اس کا کشف یا خواب اسی قدر صحیح اور درست ہوگا۔

عالم مثال میں صورتیں ارواح اور اس کے اوپر کے مراتب سے بھی آتی ہیں اور عالم شہادت اور اس کے نیچے کے مراتب سے بھی آتی ہیں۔

بعض دفعہ خیال یا مثال قوی ہو کر شہادت میں بھی محسوس ہو جاتا ہی اور بعض دفعہ دوسروں کو بھی نظر آجاتا ہی۔

جمع ہمت۔ دفع خطرات۔ ایک نقطہ پر خیال قائم رکھنا۔ ارواح کی طرف توجہ۔ مناسب اسماء الٰہیہ کی مدد یعنی کثرت ورد۔ لوازم جسم شہادی یعنی اکل شرب وغیرہ کا ترک کرنا روشنی سے بچنا۔ طرق حواس کا بند کرنا عالم مثال کے کھلنے میں معین ہوتے ہیں۔

عالم شہادت میں جو تحت زمانہ ہی جو غیر قار ہی یعنی زمانے کے اجزا ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ صرف حال نظر آتا ہی۔ نہ ماضی نہ مستقبل۔ عالم مثال تحت زمان نہیں۔ تحت دہر ہوتا ہی۔ لہذا اس میں ماضی، مستقبل، حال سب کچھ نظر آجاتا ہی۔

یہ خوب خیال رکھو کہ عالم علوی کی کوئی شے مثال میں مرئی و نمودار ہو اور نظر آجائے تو اس سے اس کے تجرد و بے صورتے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دیکھو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو خواب میں دودھ کی صورت میں دیکھا اس سے علم کے بذاتہ بے صورت ہونے پر کیا اثر پڑا۔ جبریل علیہ السلام اکثر دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ اور کبھی اعرابی کی صورت میں آتے تھے تو اس سے ان کا جسم ہونا لازم نہیں آتا۔

ایک شے بعض بعض مناسبات کی وجہ سے مختلف صور میں نظر آتی ہی۔ اس کو ایک صورت میں مقید سمجھنے سے علمی ترقی مسدود ہو جاتی ہی اور انکار پیدا ہو جاتا ہی۔ کیا حضرت کے علم کو دودھ کی شکل میں ملاحظہ فرمانے سے کیا مسلمانوں نے علم کو دودھ کی صورت میں منحصر کر دیا۔ کیا دودھ کی پوجا شروع کر دی۔ ہرگز نہیں۔

ہمارے ہندو بھائیوں کے رشیوں، اہل کشف نے علم کو اس کی عظمت و قوت کی

شکل یعنی ہاتھی کی صورت میں دیکھا۔ تو اب تک گوبر یا مٹی کی مورت بناکر گنیش یا گنپتی کے نام سے اس کی پوجا کی جا رہی ہی۔ یہ مٹی کی مورت تم جیسا بناو بن رہی ہی۔ گویا وہ تم کو سجدہ کر رہی ہی۔ کیوں کہ علم و قدرت کی تجلی تم میں سے ہو رہی ہی۔ سچ پوچھو تو تم گنپتی ہو نہ کہ وہ مورتی۔ ہمارے ہندو بھائی اپنے بزرگوں کے کشف مثالی کے سمجھنے اور مجاز سے حقیقت کی طرف پہنچنے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے دائمی بت پرستی بلا بن کر ان کے گلے پٹ گئی ہی۔ میں ہمیشہ ہنود کی بنائی ہوئی دیوتاؤں کی تصویریں دیکھتا ہوں اور ان سے حقیقت کی طرف راہ نکال لیتا ہوں کہ اس مثال اور تشبیہ سے آخر منشے کیا ہیں۔ یاد رکھو کہ ہر مجاز کی ایک حقیقت ہی۔ حقیقت کی طرف توجہ کرنا ہی حق ہی۔ اللہ بس باقی ہوس۔

میں نے ایک تصویر میں غضب کی مثال دیکھی۔ ایک سیاہ رنگ عورت ہی۔ سرخ زبان باہر نکلی ہوئی ہی۔ آدمیوں کے سروں کا ہار گردن میں پڑا ہی۔ ہاتھوں کی جھالر کمر سے بندھی ہی۔ سیدھے ہاتھ میں شمشیر برہنہ ہی۔ بائیں ہاتھ میں کسی ظالم کا سر ہی۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ کالی دیوی ہی۔ اہل بنگالہ کی معبود ہی۔

ایک دوسری تصویر میں بھی غضب کی مثال دیکھی۔ ایک بہت بڑی انسانی شکل ہی۔ اس کے منہ سے آگ نکل رہی ہی۔ اس قدر بڑی اور زبردست شکل ہی کہ اگر کسی پر اپنا پاؤں رکھ دے تو پامال کر دے۔ پھونک مار دے تو خاک سیاہ کر دے۔ یہ بھی ایک دیوتا ہی۔

ایک اور تصویر میں غضب ہی کی مثال دیکھی۔ ایک انسانی شکل ہی جس کا سر شیر کا ہی پنجے شیر کے ہیں۔ ایک ظالم کو گرا کر اس کا پیٹ پھاڑ رہی ہی۔ یہ بھی ہنود کا ایک دیوتا ہی۔

دیکھو یہ تینوں غضب ہی کی شکلیں ہیں۔ مگر مہا کالی کا ماننے والا شنکر کو نہیں مانتا نہ وہ شیر سر کو مانتا ہی۔

جاپان میں زلزلہ آیا۔ کوہ آتش فشاں پھٹا۔ یہ قہر خدا کی صورت نہیں تو کیا ہے موسیٰ ندی کو طوفان آیا۔ ہزارہا آدمی مرے۔ ہزارہا گھر تباہ ہوئے۔ طاعون نے حیدرآباد کو

اپنا شکارگاہ بنا لیا ہی۔ یہ سب خدا کے غضب ہی کی صورتیں ہیں ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم برسلی

ایک دفعہ ایک ہندو دوست سے میری گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس ایک اوتار طوطا بھی ہی۔ میں نے پوچھا کہ آخر اس سے ان کی مراد کیا ہی۔ تو انھوں نے کہا اس کی کچھ تصریح نہیں۔ میں نے کہا طوطے کا قاعدہ ہی ؎

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

خدائے تعالیٰ پیغمبروں کو جو وحی فرماتا ہی اولیا کو جو الہام فرماتا ہی اس کو وہ جوں کا توں فرما دیتے ہیں اس میں وہ حضرات کچھ کمی زیادتی نہیں کرتے۔

ہندوؤں کے کسی رشی یا اوتار نے یہ سمجھنا چاہا کہ کب سے سلسلہ موجودات چلا ہی اور وجود جو سب کا اصل اور بیج ہی کب سے ہی اور کب تک رہے گا۔ تو ان کو ایک لنگ یعنی ذکر نظر آیا۔ جانب ماضی دوڑے اور ابتدا نہ ملی، جانب مستقبل دوڑے اور انتہا نہ ملی ظاہر ہے کہ انسان کی تولید کا اصل بظاہر ذکر ہی۔ لہذا مبدء عالم اور وجود ان کو صورت ذکر میں نظر آیا۔ اب ان کے تابعین نے ایک ذکر کی صورت بنا کر گلے میں ڈال لی کہ نعوذ باللہ ذکر ان کا خدا ہی۔ یہ قوم لنگایت کہلاتی ہی۔

اس بھولے پن کی کچھ انتہا بھی ہی۔ یہ لوگ تشبیہ سے ایک قدم حقیقت کی طرف چلنا نہیں چاہتے۔

ذرا غور فرمایئے۔ بزرگی کی صورت و تشبیہ ہاتھی ہی۔ مکاری کی صورت لومڑی بدکاری کی تشبیہ خنزیر، بدگوئی کی مثال کتّا۔ چور کا مماثل کوّا ہی۔ علی ہذا القیاس اچھی صفت کی بھی ایک تشبیہ ہی اور بری صفت کی بھی ہی ایک تشبیہ۔ آدمی کی جیسی صفت ہوتی ہی اسی کی مناسب شکل میں وہ شخص عالم مثال میں نظر آتا ہی۔

انسان مختلف حالات کے لحاظ سے فضائل و رذائل میں ترقی و تنزل کرتا رہتا ہی

جیسی صنعت ہوتی ہی اسی کے مناسب صورت میں عالم مثال میں نظر آتا ہی۔

آخر میں جب آدمی میں آدمیت آتی ہی۔ صفات حمیدہ سے موصوف ہوتا ہی۔ اس میں عالمانہ شان پیدا ہوتی ہی تو انسان کی صورت ملتی ہے۔

کدھر عالم مثال میں گوناگوں صورتوں میں تنزل و ترقی کرنا۔ کدھر عالم شہادت میں تناسخ۔ جنم بدلنا۔ کایا پلٹنا۔ ہر طبیعت و آثار خاص کے لئے ایک روح متعلق ہوتی ہی۔ نئی روحوں کی کمی کیا ہی کہ پرانی روح متعلق ہو گی۔ جسد کے متعلق روح ہونے کے بعد پہلے کی ایک بات بھی یاد نہیں۔ آخر ایسی سزا و جزا سے کیا حاصل۔ نہ جرم معلوم نہ اس کی سزا۔ بڑی بڑی ریاضتوں کا کیا ثمرہ ملا۔ امیر ہو گئے۔ بادشاہ بن بیٹھے جو فقیروں کے قدم لیتے ہیں کیا یہ لوگ راحت کے معنے۔ آرام کا معیار بھی کچھ جانتے ہیں؟ جو فقیر اپنے مولےٰ سے خوش ہی مالک کے قرب سے سرفراز ہی۔ محبت و قرب، فنا و بقا کی لذت اٹھاتا ہی۔ بھلا اس کے سامنے ہفت اقلیم کی شاہنشاہی پر پشہ سے زیادہ کچھ بھی وقعت رکھتی ہی؟ کچھ بھی نہیں ؎

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

خدائے تعالیٰ کے ذکر۔ اس کی یاد میں مستغرق رہنے، اس سے محبت رکھنے کا بدلہ خدا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ چند فرخرفات دنیا۔ کسی بادشاہ یا کروڑپتی کو حقیقۃً خرم و شاداں بھی کسی نے کبھی دیکھا ہی۔ کسی نے ان کو خوشی خوشی مرتے بھی دیکھا ہی۔ سکندر اعظم، محمود غزنوی کی موت کی حالت سے کون واقف نہیں۔ خدا کے دوست۔ اس کے عاشق موت کو الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب سمجھتے ہیں۔ عاشق مرتے ہوئے نعرے مارتا ہی۔

یہ امید دید ہی نے کیا موت کو گوارا (حسرت)
مری جان مفت کب تھی کہ جو یوں نثار ہوتا

اللہ اکبر! کیا ظلم ہی! یاد خدا۔ ذکر الٰہی کو کیا سستا بیچ ڈالا۔ و شروہ بثمن

بخس دراھم معدودۃ۔ یاد خدا کی قیمت چند خرمہرۂ دنیاے فانی ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ہائے! کیا ستم ہے! حقیقت سے بے خبری۔ ایک مثالی صورت کو پکڑ لیا اور دوسری مثالی صورت سامنے آئی تو انکار۔

ایک محمدی جس کے سامنے ہزاروں مثالیں نمایاں ہوتی ہیں۔ مثال سے ممثل لہٗ کی طرف گھس جاتا ہے۔ گوناگوں تشبیہیں دیکھتا ہے۔ اور حقیقت کو کسی تشبیہ میں محدود نہیں کرتا۔ لباس سے اس کو غرض نہیں۔ لباس والا اس کا نورِ نظر۔ راحت دل ہے۔ ایک صورت دیکھتا ہے اور دوسری صورت دیکھنے کے لئے تیار۔ نہ اس کے تجلیات کی انتہا۔ نہ اس کی طلب کا اختتام۔ اگر عاشق کی طلب ختم ہو جائے یا کسی ایک بہتر حالت پر قناعت کر جائے تو تو تجلیات الٰہی بھی ختم ہو جائیں۔ نہ تجلی منتہی ہے۔ نہ متجلی لہٗ کو بس کرنا چاہیئے۔ تو وراء الوراء ہے۔ تو میری طلب بھی وراء الوراء ہے۔ وقل رب زدنی علما والحقنی بالصالحین

مسیحا تماشا دکھائے چلا جا
میں مرتا رہوں تو جلائے چلا جا

میرے بھولے برہمن بھائیو! کیا تم نے بندگان خدا کو اپنے ہم سر ہو جانے کی غیرت سے اصل حقیقت نہیں بتلائی۔ یا خود تم برقع کے نقش و نگار پر فریفتہ ہو کر جلوہ رخسارِ یار کے دیدار سے محروم رہ گئے۔

ہائے بت پرستی! افسوس بت پرستی!! مٹی، پتھر، آگ، پانی، پیپل، تلسی، کوا، گائے، سانپ۔ دنیا بھر کے چیزوں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ ان کے سامنے سرِ عبودیت جھکایا جاتا ہے۔ خود انسان میں علمی تجلی ہے۔ حکومت کی تجلی ہے، کونسی تجلی ہے جو اس میں نہیں ہے ؎

کونسی شے ہے نہیں جو مجھ میں
اک طلسمات کا پتلا ہوں میں

خلیفۃ اللہ کی تذلیل میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی گئی۔ کب تک آفاق کبھی وفی انفسکم افلا تبصرون بھی تو ہو۔

کیا ملک میری حقیقت کو سمجھتے علوی
ان کا اُستاد نہ سمجھا وہ معمیٰ ہوں میں

واضح ہو کہ انسان کو انسان صغیر اور تمام عالم کو انسان کبیر کہتے ہیں۔ جیسا انسان کا ایک خیال ہوتا ہے۔ انسان کبیر یعنی عالم کا بھی ایک خیال ہے۔ اسی کو عالم مثال کہتے ہیں۔ انسان جو کچھ کرتا ہے پہلے اس کو خیال کر لیتا ہے۔

اسی طرح عالم شہادت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ عالم کے خیال یعنی عالم مثال سے آ رہا ہے۔ خیال انسانی کو عالم مثال سے ایک ربط اور تعلق ہے۔ گویا کہ خیال سے ایک روشن دان عالم مثال میں کھلتا ہے جس سے انسان عالم مثال میں جو کچھ ہے۔ خواہ ماضی ہو یا مستقبل ملاحظہ و مطالعہ کرتا ہے۔

تجربہ ہے کہ قوی التعقل پر معارف، قوی المحبۃ پر بے خودی، قوی التخیل پر کشف مثالی بسہولت و یکساں ہوتا ہے۔

بعض دفعہ مجردات یا جنات مثالی شکل لے کر عالم شہادت میں نظر آ جاتے ہیں۔ کبھی خود انسان زور خیال سے نہ صرف لطیف ہی ہو جاتا ہے بلکہ متعدد جگہ مجسم ہو کر محسوس ہو جاتا ہے۔

یہ بات خوب یاد رکھو کہ ہر دل کی بات کو ضرور نہیں کہ وہ خیال میں متجسم بھی ہو جائے اسی طرح ہر چیز جو عالم ملکوت میں ہے۔ ضرور نہیں کہ مثال میں بھی آ جائے یا جو چیز مثال میں ہے۔ ضرور نہیں اجسام و شہادت میں بھی آ جائے۔ اس سے عالم اجسام سے عالم مثال کا وسیع تر ہونا۔ مثال سے ملکوت کا۔ اس سے علم الٰہی کا، اس سے ذات الٰہی کا محیط تر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ رکھو۔ کہ جس طرح اجسام کثافت میں مختلف درجات پر ہیں۔ اسی طرح عالم مثال بھی لطافت میں مختلف درجات پر ہے۔

اکثر سفلی اعمال والوں کو ادنیٰ درجے ارواح سے جو اسفل سافلین میں ہیں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اُن کو نظر آنے لگتے ہیں مثلاً شیخ صدو۔ نرسو وغیرہ

بہت اشخاص ریاضت کرتے ہیں اور کیا دیکھا۔ اسی دنیا کے بعض دور دراز مقامات یا اپنے مناسب عالم مثال۔ یا خود اپنے نفس کے بعض عجائب۔ کوہ کندن و موش برآوردن کمال ایمان کہاں ہے۔ دل کا اطمینان کدھر ہے۔ رضا بالقضا۔ عبدیت۔ معارف الٰہیہ انکشاف اسرار حکمت کن حضرات کا مقصود ہے۔ ماسوائے اللہ کھیل ہے۔ لہو و لعب ہے۔

كل ما اشغلك عن ربك فهو صنمك

دیکھو۔ جدھر تمہارے التفات و توجہ کے کیمرے کا رخ ہوگا اسی طرف کی تصویر تمہارے آئینہ خیال میں آجائے گی۔ خواہ فوقانی ہو یا تحتانی۔ خواہ لطیف ہو یا کثیف۔ ایک بھنگی نے حیدرآباد میں آکر کیا دیکھا وہی چند بیت الخلا۔ کیا اس نے کنگ کوٹھی دیکھی یا فلک نما۔ خلوت کا دربار ہال دیکھا یا چومحلہ۔ کچھ نہیں۔ علم کی عظمت معلوم کی عظمت سے ہے۔

اکثر باہر کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اور اندرونی جذبات آئینہ ہو کر سامنے آجاتے ہیں ان خیرا فخیر و ان شرا فشر۔ ایمان قلبی جذبات روحانی۔ کیفیات نفسی کی صورتیں آج نظر نہ آئیں تو کیا ڈر ہے۔ مرتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ قیامت میں باطن ظاہر ہو جائے گا۔ علم شہود ہو جائے گا۔

حسرت جو مرے علم میں ہے جلوہ فگن آج   کل آئے گا وہ بن کے تماشا مرے آگے
آج یہاں نہ دیکھا تو کل وہاں دیکھ لیں گے
کرتا ہے اگر پردہ او پردہ نشیں کر لے
محشر میں تو دیکھیں گے تجکو ترے شیدائی

سچ پوچھو تو دنیا بھی ایک خواب و خیال ہے ؎

العیش نوم والمنیۃ یقظۃ

والمرء بینہما خیال ساری

مگر یہ خیال ہمارا اپنا نہیں۔ بلکہ ایک بہت بڑی ہستی کا خیال ہے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ہم کو اپنے خیال پر ایک حد تک قابو ہے۔ مگر خود اپنے پر قابو نہیں۔ کیوں کہ خود ہم اپنا خیال نہیں بلکہ خدا کا علم ہیں ؎

نہ ٹلائے سے ٹلی ہے بلائے آسمانی
مرا اعتبار حسرت مرا اعتبار ہوتا

قضاء مبرم و معلق بعض دفعہ عالم مثال میں کسی واقعہ کے تمام اسباب نظر نہیں آتے یعنی صرف علت ناقصہ کا علم ہوتا ہے۔ ایسے حال میں جو حکم لگایا جائے ضروری نہیں کہ درست ہو۔ اسباب کا غیر مکمل طور پر نظر آنا قضاء معلق کہلاتا ہے۔ کبھی تتمہ نظر آجاتا ہے اور علت تامہ ہو جاتی ہے۔ تو واقعہ موجود ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ قضاء معلق مبرم ہو گئی۔ کبھی مانع نظر آجاتا ہے اور نتیجہ جو قریب الوقوع تھا رونما نہیں ہوتا تو اس وقت بھی قضاء معلق مبرم ہو جاتی ہے۔ اس لئے عالم مثال کو بلکہ لوح محفوظ کو لوح محو و اثبات بھی کہتے ہیں۔ مگر علم الٰہی میں عالم کا جو نظام عمل اور پروگرام ہے اس میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ ام الکتاب سے علم الٰہی ہی مراد ہے۔ یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب۔ بعض اولیا عالم مثال کو دیکھ کر ایک حکم لگا دیتے ہیں اور دوسرے بڑے اولیا ام الکتاب سے علم حاصل کرتے ہیں تو موخر الذکر کا حکم صحیح ہوتا ہے کیوں کہ وہ علم الٰہی سے مستفید ہوئے ہیں۔ جہاں باطل کی گنجائش نہیں۔ وہاں ابرام ہی ابرام ہے۔

عالم شہادت عالم شہادت کو عالم ناسوت۔ عالم خلق۔ عالم ملک۔ عالم اجسام بھی کہتے ہیں عالم شہادت میں کے اشیاء محسوس بحواس ظاہری ہوتے ہیں شکل و صورت کے ساتھ وزن بھی رکھتے ہیں۔ تحت زمان و مکان ہیں۔ تدریجاً کمال کو پہنچتے ہیں حالت سابق لاحق کے لئے مستعد ہوتی ہی۔ اشیاء بھی مخلوق ہوتے ہیں۔ ان کے کمالات و استعدادات مخلوق و مجعول ہوتے ہیں۔

عالم شہادت میں صرف زمانہ حال معلوم و مشہود ہوتا ہی۔ ماضی و مستقبل مشہود نہیں ہوتے۔ کوئی شے عالم شہادت میں نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کا وجود عوالم مافوق میں ہوتا ہی۔ خواہ جوہر یا عرض خط ہو یا ہندسہ یا کچھ ہی ہو۔

جوہر ہبا۔ وہ باریک باریک اجزاء یا ذرات یا جزء لا یتجزے یا دقائق جن کے اجتماع و اتصال سے تمام اجسام اور اُن سے عالم بنا ہی۔

شکل کل۔ ۔ ہیولائے کل ۔ جسم کل

جوہر ہبا کے ذرات جب ایک دوسرے سے نزدیک ہوتے ہیں اور مختلف اشکال میں نمودار ہوتے ہیں تو کلی و مشترک شکل کو شکلِ کل یا شکل محمدی کہتے ہیں۔

شکل لینے کے اعتبار سے اور محل صور ہونے کے لحاظ سے جوہر ہبا کو ہیولائے کل ہیولائے محمدی کہتے ہیں۔

ہیولائے کل و شکل کل کا مجموعہ جسم کل یا جسم عالم یا جسم محمدی کہلاتا ہی۔

شکل جزئی ۔ ہیولائے جزئی ۔ جسم جزئی

شکل کل کے مظاہر اشکال جزئیہ۔ ہیولائے کل کے ظہورات ہیولائے جزئیہ اور جسم کل کی نمائشیں اجسام جزئیہ ہیں۔

مادہ آج کل مادّے کی بڑی چیخ پکار ہی جس کی زبان پر دیکھو مادّہ، نیچر، فطرت کا ذکر ہی۔ آؤ ہم زرا اس مادّے پر غور کریں آخر وہ ہے کیا۔ اس کے خواص و لوازم کیا ہیں۔

طبیعات میں مادّے کے خواص حسب ذیل ہیں :

متحیز ہے یعنی جگہ گھیرتا ہے۔ امتداد رکھتا ہے یعنی اس میں طول و عرض و عمق ہوتا ہے۔ وزن بھی رکھتا ہے۔ کیوں کہ اس کے اجزا میں کشش و جاذبیت ہوتی ہے۔ استمرار یعنی متحرک تو ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ جب تک اس کو کوئی باہر سے ساکن نہ کردے۔ ساکن تو ہمیشہ ساکن جب تک باہر سے اس کو کوئی متحرک نہ کردے۔

مادّہ جس کی یہ شان ہے عالم شہادت کی ایک چیز ہے۔ وہ ہوا کرے۔ اس سے روحانیات والوں پر۔ مذہب پر کیا مضر اثر پڑتا ہے۔ مادّے کے ہونے سے روحانیات کی نفی کیوں کر کی جاسکتی ہے۔ مادّے کے خواص میں ذی علم ہونا، صاحب ارادہ ہونا داخل نہیں۔ لہذا ارادے کے لئے خارج از مادّہ کوئی نہ کوئی شئے ضرور ماننی پڑے گی۔

کوئی ذرا غور کرے۔ کہ " **میں** کون ہوں۔ کیا اجزائے جسم میں سے ہوں۔ کیا ہاتھ ہوں، پاؤں ہوں، سر ہوں، خون ہوں، گوشت یا ہڈی ہوں۔ ہرگز نہیں۔ جنگ میں ہاتھ پاؤں کٹ جاتے ہیں۔ ہر ہفتہ بال اور ناخن کٹواتا ہوں مگر مجھ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ پیدا ہونے کے وقت میرے جسد کی مقدار کیا تھی۔ اب کیا ہے۔ پہلے وزن کتنا تھا اب کتنا ہے تحلیل اور بدل ما یتحلل سے (۷) یا (۱۲) سال میں تمام جسم نیا ہو جاتا ہے۔ ۵۷ سال کی عمر میں ۸ دفعہ جسم بدل چکا ہوں۔ مگر میں تو۔ جو پہلے تھا سو اب بھی ہوں۔ وہی میری انانیت ہے سب کچھ ہو گیا مگر انا وہی انا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔

محل علم جسمانی شئے ہوتی تو جسم کی تحلیل اور اس کے اجزا کے جدا ہونے سے علم بھی مفقود ہو جاتا۔ مگر (۱۲) سال کے پیشتر کی باتیں اور واقعات مجھے برابر یاد ہیں۔ میرے علم میں حاضر ہیں۔

میں اپنے ارادے سے اٹھتا ہوں۔ بیٹھتا ہوں۔ چلتا پھرتا ہوں۔ میں بے ارادہ مادّہ ہوتا تو حرکت ارادی نہ کرتا۔

مادّے اور اجزاءِ مادّے کے خواص و تعلقات سے بحث کرنے والوں کو روحانیات سے کیا تعلق۔ جو شخص اپنے دائرۂ علم و عمل سے باہر قدم رکھے وہ اجنبی ہے۔ جولاہا سنار کے کام میں دخل دے تو وہ ناواقف ثابت ہوگا۔ ہیئت داں طبیب سے جھگڑے تو یہ اس کی نادانی ہوگی۔ ہر فن کے حدودِ عمل ہیں ایک فن والے کا دوسرے کے فن میں دخل دینا حماقت ہے۔

فطرتِ الٰہی کا سمجھنا۔ اسرارِ قدرت کا دریافت کرنا بلا شبہ انسان کا کمال ہے۔ مادیات و محسوسات کے سمجھنے کے لئے خدائے تعالیٰ نے عقل دی ہے۔ ماوراء الطبیعات، روحانیات غیر محسوسات کے سمجھنے کے لئے خدائے تعالیٰ معلم روانہ کرتا ہے جس کی فطرت غیر معمولی ہوتی ہے۔ وہ محسوسات و غیر محسوسات دونوں سے علاقہ رکھتا ہے۔ غیر محسوس سے لیتا ہے اور محسوس کو دیتا ہے۔ میری مراد اس سے پیغمبر یا رسول یا اوتار ہے۔ پیغمبر کا بیان آئندہ اپنے مقام پر کیا جائیگا۔

گھڑیال کے گھنٹے کی سوئیں کو آنکھ متحرک نہیں دیکھتی۔ آفتاب۔ ستاروں، سایۂ دیوار کو آنکھ چلتے نہیں دیکھتی۔ تو اس سے اعلیٰ قوت یعنی عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ عقل سلیم جن امور کے ادراک سے عجز ظاہر کرتی ہے یا حکم لگاتی ہے تو غلط لگاتی ہے۔ تو اس سے اعلیٰ قوت یعنی ایمان۔ کشف۔ وحی اس کے ہادی و پیشوا ہو جاتے ہیں۔

مذہب اور عقل کا مقام ایک نہیں تو ان میں تصادم بھی نہیں۔ چھکڑا ہوائی جہاز سے کیا ٹکرائے گا۔ ٹکرانے کے لئے ہم سطح ہونا ضرور ہے۔

سائنس دانوں کی یہ شکایت کہ مذہب میں مادیات کے باہمی تعلقات اور اُن کے روابط و احکام بیان نہیں کئے گئے۔ بیجا ہے۔ مذہب کے پاس خدائے تعالیٰ اور پیغمبر۔ خدائے تعالیٰ اور انسان۔ پیغمبر اور امت۔ انسان اور عوالم غیر مادی کے روابط کا بیان کرنا اہم ہے کیونکہ عقل انسانی اُن کے ادراک سے عاجز ہے۔ مذہب محسوسات و مادیات میں سے ان تعلقات و احکام کو بیان کر دیتا ہے جن کا اثر روح اور عوالم مابعد میں پڑنے والا ہے۔ نیز مذہب کی نظر

کلیات پر رہتی۔ نہ کہ جزئیات پر۔ کیوں کہ جزئیات غیر متناہی لا تعد ولا تحصی ہیں۔ اگر ہر جزئی چیز کا منکشف وحی والہام ہو تو عقل جو عظیم ترین عطائے الٰہی ہی۔ بےکار ہو جاتی۔ بچوں کو خود بھی غور و فکر کرنا چاہیئے مگر استاد کی رہنمائی کی متابعت میں۔ فتفکروا فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ مذہب واجب ٹھیراتا ہی کہ عقل اپنے دائرہ عمل میں ضرور کد و کاوش کرے۔ مگر اپنے حد سے باہر دوڑے گی تو سر کے بل گرے گی اور پھر اٹھنا نصیب نہ ہوگا۔

لاز آف نیچر۔ نوامیس فطرت۔ قوانین قدرت۔ فطرۃ اللہ کے چند اسرار وہ بھی صرف مادیات سے مادیات کے بعض تعلقات کے جاننے پر آپے سے باہر ہو جانا۔ دوسرے نوامیس واسرار سے انکار کر بیٹھنا علمی ترقیوں کا سد باب کرتا ہی۔ ابھی تم کو تمھارے جسد سے کیا تعلق ہی کب معلوم ہوا؟ - تم کو خدائے تعالیٰ سے کیا تعلق ہی؟ - اس کا معلوم کرنا تو کارے دارد۔ ایک گڑھے میں تھوڑا سا ناپاک پانی ہی۔ اس کے آس پاس چند مینڈکیاں ہیں کہ ٹھٹھی ٹرا رہی ہیں۔ انھیں کیا معلوم کہ دنیا میں بحر ذخار دریا ناپیدا کنار بھی ہی ؎

سائنس و فلاسفی سے ہی کیا حاصل   کیا ہے لاجک و ہسٹری کا حاصل
جب اپنی حقیقت کو نہ سمجھا تم نے   جو کچھ کہ لکھا پڑھا وہ سب لاحاصل
(حسرت)

ایک چار سال کا بچہ ہی۔ اس نے ہر روز آفتاب کو روشن دیکھا۔ کبھی سورج گہن نہیں دیکھا وہ اپنی عمر کے تجربے کی بنا پر سورج گہن سے انکار کرتا ہی اور کہتا ہی لا تبدیل لخلق اللہ کیا اس کا سورج گہن سے انکار کرنا۔ اپنے ناقص ذاتی تجربے واستقرا پر ناموس الٰہی کو منحصر سمجھنا صحیح ہے؟ - ہرگز نہیں۔ اول تو تمھارے پاس کتنے زمانے کی تاریخ ہی۔ پھر تفصیل وار کتنے واقعات قید قلم ہیں۔ اصل یہ ہی کہ تنگی دل ان انکارات کا باعث ہوئی ہی۔ الناس اعداء لما جھلوا

ایک اور بات پر توجہ کرو۔ ایک بڑا ماہر لوہار ہی۔ جو ہاتھ کی چھڑی میں بندوق بناتا ہی

ایک سادہ کار ہے۔ جو گھنڈیاں اور انگوٹھیاں خوب بناتا ہے۔ تو کیا میں ان کو صرف ان کے دستکاری ہی میں مانوں یا منطق فلسفہ عقلیات سب میں ان کو امام زمان مانوں اور ان کے اقوال کو کالوحی من السماء سمجھوں۔ اگر ایسا کروں تو میرا جہل ہوگا۔ حماقت ہوگی

مگر آج کل ایک وبائے عظیم عالمگیر ہو گئی ہے کہ مغرب والوں کو جو دیکھا کہ کپڑے بننے میں، لوہاری کام میں۔ دوا سازی میں جو ماہر ہیں تو اب اُن میں کے ہر ایک شخص کی رائے کو گو وہ روحانیات سے کتنا ہی نابلد ہو۔ قرآن شریف سے زیادہ وقعت دی جاتی ہے۔ اب بعض تو قرآن سے انکار ہی کر بیٹھتے ہیں اور بعض توڑ موڑ کر قرآن شریف کے معنے وہ بتلاتے ہیں جو ان مادہ پرستوں کے خیالات کے تابع ہے۔ اور پھولے نہیں سماتے کہ یہ بات تو خود ۱۳ سو سال پہلے قرآن میں بیان کر دی گئی ہے۔ اس جہل اس نادانی اس حماقت کی کچھ انتہا بھی ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللّٰھم ارنی حقائق الاشیاء کما ھی توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین۔

یہ بیماری کچھ مسلمانوں ہی سے خاص نہیں۔ بلکہ ہندو اور عیسائیوں کو بھی لگ گئی ہے اعوذ باللہ العظیم

بسائط۔ قدیم حکما کے پاس بسائط (۴) ہیں۔ آب، آتش، خاک، باد۔ اور حکمائ حال کے پاس بسائط (۹۲) یا اس سے زیادہ ہیں۔ مثلاً ہیڈروجن، آکسیجن، کاربن، سوڈیم پوٹاسیم، چاندی، سونا، لوہا، تانبا وغیرہ۔

یہ ان کی غایت کوشش ہے۔ تحلیل میں عرفا کے پاس مخلوقات میں سے ہر شے اسمائ صفات الٰہیہ کا پرتو یا اُن پر قائم ہے۔

ذاتِ الٰہی و صفاتِ بسیطۂ حق کبھی ظاہر نہیں ہوتے۔ جو کچھ ظاہر ہے۔ وہ حادث اعتباری، مرکب ہے۔ کیوں کہ حدوث و اعتباریت مرکب کو عارض ہوتی ہے نہ کہ بسائط کو اصل یہ ہے کہ ذات حق کا جو بسیطِ محض ہے۔ نیز صفات بسیطہ کا کوئی مظہر نہیں۔ کیوں کہ

مظہر حادث اور موجود بالعرض ہوتا ہی۔ اور کوئی مظہر ایسا نہیں جس میں متعدد صفات نہ ہوں اور مرکب نہ ہو۔ ظہور صفات کی مزید تفصیل آئندہ آئے گی۔

جمادات - حیوانات - جن

جمادات۔ ان میں امتداد یعنی طول و عرض و عمق ہوتا ہے۔ ان میں نشو و نما اور ظاہری جان نہیں رہتی ہی۔

نباتات۔ ان میں علاوہ طول و عرض و عمق کے۔ قوت نامیہ، غاذیہ وغیرہ ہوتی ہی نباتات میں ایک قسم کی حیات بھی ہوتی ہی۔ مگر نقل مکان حرکت ارادی نہیں کرسکتی۔

حیوانات۔ ان میں علاوہ امتداد اور نشو و نما کے ظاہری حیات اور احساس اور حواس خمسہ اور ادنیٰ درجے کا تفکر بھی ہوتا ہی۔

حیوانات، نباتات۔ جمادات کی بقا کے لئے جتنی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہی۔ فطرت ان کو دے دیتی ہی۔ حیوانات کا بچہ پیدا ہوتے ہی چلنے لگتا ہی۔ حضرت انسان ہیں کہ ہزار بے سرو سامانی کا بدلہ ایک عقل ہے۔

ذی عقل۔ یہ اعلیٰ حیات۔ ادراک۔ ارادہ و اختیارات رکھتے ہیں۔ ان میں جن و انس سہیم و شریک ہیں۔

جن۔ یہ مثل انس کے ذی عقل صاحب توالد و تناسل ہیں۔ مگر بہ نسبت معمولی انسان کے لطیف ہوتے ہیں اور ان میں جزو ناری کا غلبہ رہتا ہی اور وہ ہر صورت میں نمودار ہو سکتے ہیں۔ معمولی انسان جن کو نہیں دیکھ سکتے۔ خود جن اگر چاہیں تو اُن کو نظر آسکتے ہیں۔

عالم شہادت میں جب جن متشکل و متجسم ہوتے ہیں تو عالم شہادت کے تمام آثار و لوازم اُن سے متعلق ہوتے ہیں۔ پس اگر جن مثلاً سانپ کی شکل میں نمودار ہوں۔ تو اُن میں زہر بھی آجاتا ہی اور لکڑی کی ایک ضرب سے مر بھی جاتے ہیں۔

جن مثل انس کے ذی عقل ہونے کی وجہ سے مکلف شرعی بھی ہیں۔ جن و انس کے مکلف ہونے کی وجہ سے اُن کو ثقلین کہتے ہیں۔

جن کی عمر بہ نسبت انس کے زیادہ ہوتی ہی۔ مگر انسان کے ساتھ عالم شہادت میں رہیں تو اُن کی عمر بھی کم ہوجاتی۔ چوں کہ سانپ کی عمر بڑی ہوتی ہے۔ اس لئے سانپ کی شکل میں اکثر رہتے ہیں۔ دیکھو عرب سانپ کو حیہ کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہی کہ جب تک خارج سے کوئی صدمہ نہ ہو سانپ نہیں مرتا۔

خبیث جن۔ شیاطین جو خبیث جن ہیں۔ انسان کو بہکاتے ہیں۔ ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے۔ ان کا پیشوا۔ ابلیس ہے جو آدم علیہ السلام سے بھی پہلے پیدا ہوا اور قیامت تک رہے گا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا ابتلا و امتحان ہے۔

شیطان درگاہِ عظمت کا کُتّا ہی۔ نا اہل کو داخلِ دربار ہونے نہیں دیتا۔ ہمارا کام ہی کہ اس کُتّے کے مالک کی پناہ لیں۔ اسی کو پکاریں۔ وہ ضرور اپنے کتّے کو ڈانٹ دے گا۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

غیر خبیث جن۔ معمولی جن متمدن ہوتے ہیں۔ ان میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ کافر بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ بعض جن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت سے بھی سرفراز ہوئے ہیں۔

انسان انسان کو قوتِ غضبی۔ شہوی و علمی دی گئی ہی۔ پس اگر قوتِ علمی مغلوب ہوجائے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے اور اگر قوتِ علمی غالب ہوجائے اور معرفتِ الٰہی اور تخلق باخلاق اللہ سے متصف ہوجائے۔ تو وہ فرشتوں سے بھی بہتر ہوجاتا اور عوالم علوی و سفلی پر حکومت کرتا ہے۔

ہر چند ذرہ بے مقدار سے خورشید پر انوار تک جو کچھ ہے وہ ذاتِ حق اور اسمائے الٰہیہ کے مظاہر ہیں۔ مگر کسی مخلوق میں سوائے حضرت انسان کے مظہرِ تام اور منبع جمیع اوصاف بننے کی قابلیت نہیں۔ کیوں کہ غیر انسان میں بعض صفات ظاہر اور بعض مخفی رہتے ہیں۔ خود انسان کے افراد بھی ایک دوسرے کے لحاظ سے ظہورِ کمالات میں

فرقِ عظیم رکھتے ہیں۔

ابتدائی حالت میں دائرۂ امکان کے قوس صعودی کو طے کرتے ہوئے انتہائی نقطۂ قوس صعودی تک پہنچ جاتا ہے۔ تو عالم صغیر بلکہ عالم کبیر کی جان یا اس کا نمونہ بن جاتا ہے۔ یہ امر حضرت انسان سے خاص ہے۔ لہٰذا وہی تاج خلافت سے سرفراز و ممتاز ہوتا ہے۔

حقائق اشیار کا جاننا۔ معرفت الٰہی سے ممتاز ہونا۔ اپنی عدمیت ذاتی کا سمجھنا۔ اپنے افعال وصفات وذات کا فنا کرنا اور مظہر جمیع اسمار وصفات ہونا اور باقی بہ بقاء حق رہنا صرف انسان کا کام ہے۔

ارتقار

مبدء ومعاد کا سمجھنا۔ مراتب کا جاننا۔ اعتبارات میں امتیاز کرنا۔ اقتضار کا لحاظ رکھنا۔ ہر شے کو اس کا حق ادا کرنا انسان کا کمال ہے۔ چند مادّیات کے تعلقات کے متعلق واہی تباہی عقلی ڈھکوسلے لگانے سے کیا ہوتا ہے۔ تم نے اپنے آپ کو بوزینہ زاد سمجھا۔ مبارک۔ غضب الٰہی سے انسان بندر کی صورت میں مسخ شدہ شخص ہوگا۔ مبارک ہم غریب خاک زادہ ہیں تمھارے پاس مسئلہ ارتقار ہے ہمارے پاس دائرۂ وجود کی قوس نزولی وصعودی ہے۔ سنو کس کا احاطہ زیادہ ہے۔ ایتھر۔ نبولا۔ مادّہ کی مشتعل حالت۔ سرد حالت ۲، عناصر۔ نباتات، حیوانات ان میں سے کیڑے مکوڑے۔ خنزیر۔ بہائم۔ بندر۔ گوریلا انسان۔ بس ختم۔ اسی پر اتنا زور شور۔ علم کے دم دعوے۔ بس معلوم۔

اب سنو۔ ذات حق۔ احدیت۔ وحدت۔ واحدیت۔ اسمار الٰہیہ۔ اعیان ثابتہ۔ اعیان پر اسمار کا پرتو۔ علم سے قدرت کا اجتماع۔ ارواح۔ مثال۔ جوہر ہبا۔ اجسام مشتعل حالت یا نار۔ سیال حالت یا ہوا۔ مائع حالت یا پانی۔ جامد حالت یا مٹی۔ بسائط۔ مرکبات۔ جمادات ان میں سے آخر مرجان۔ نباتات ان میں سے آخر کھجور کا درخت۔ آخر سے میری مراد باعتبار کمالات کے ہے۔ حیوانات ان کے آخر میں۔ بندر یا گوریلا۔ انسان۔ ان میں عقل سادہ۔ یہ نقطہ انتہا سے قوس نزولی ہے۔ عقل فعال۔ عقل بالملکہ عقل مستفاد۔ یا ہماری روش کے مطابق۔ کافر۔ مومن

ان میں فاسق۔ صالح۔ فانی بفضل اللہ۔ فانی فی صفۃ اللہ۔ فانی فی ذات اللہ۔ باقی ببقاء اللہ یا یوں سمجھو کہ جن مراتب میں نزول کرتا گیا تھا۔ انھیں مراتب سے واپس صعود کرتا جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ پہلے قیود پر پردے پڑتے گئے تھے۔ اب رفع قیود ہوتا چلا ہے۔ پہلی قوس نزولی تھی دوسری قوس صعودی ہے۔ دونوں کا مجموعہ دائرۃ الوجود ہے۔ الحمد للہ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

نطفے کا جو جماد کے قریب ہے۔ انسان تک اس کے مختلف تصورات کا بدلنا ظاہر ہے۔ خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب۔ انسان اور حیوانات کی اصل مٹی کا ہونا قطعاً ہے۔ خلقکم من صلصال من حماً مسنون۔ عالم کا جوہر ہبا سے جمادات پھر نباتات پھر حیوانات پھر انسان تک ترتیب پانا غیر مختلف فیہ۔ اب اگر خدائے تعالیٰ نے انسان کو خاک سے ایسا پیدا کیا ہو جیسے حشرات۔ کیڑے مکوڑے، جوئیں کھٹمل۔ سانپ۔ بچھو بلا توسط درخت بننے کے پیدا کرتا ہے تو بالکل ممکن ہے اور خدا کو کچھ دشوار نہیں۔ ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔

بعض لوگ کہتے ہیں پہلے مچھلی۔ پھر خنزر۔۔۔ پھر بالا رام یعنی انسان کامل آخر رام یعنی خدا جیسا اہل ہند کا خیال ہے۔ تم سے تو یہی بہتر ہیں کہ رام تک تو سلسلہ پہنچا دیا۔ اصل یہ ہے کہ نطفے اور مٹی کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ انسان غرور نہ کرے۔ اپنی اگلی ذلت کی حالت کو خیال میں رکھے۔ کیا مذہب مادی فلسفہ ہے کہ ان مسائل کی تحقیق میں اپنا وقت ضائع کرے۔

مذہب میں خدا اور روح کے مبدء و معاد کے متعلق مسائل اہمیت رکھتے ہیں سائنس و فلاسفی کے عقلی ڈھکوسلوں میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے۔ ان سے ہم کو بحیثیت مذہب کوئی غرض نہیں نہ اثباتاً نہ نفیاً۔ ان عقلی ڈھکوسلوں سے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس ہیچ بیکار سے بعض مذہبی لوگ سہمے جا رہے ہیں ڈرے جا رہے ہیں یا لڑے اور بگڑے جا رہے ہیں۔

یہ بوزینہ نژادے ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ خدا کی طلب پیغمبر کا وسیلہ ہماری فطرت میں ہے۔ دنیا ایک طرف ہو جائے ہزار ہا دلائل لائے۔ بھلا ہماری اس بھوک پیاس کو کوئی جھٹلا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ تم سوچ رہے ہو۔ ہم محسوس کر رہے ہیں۔ تمھاری فکر ہے ہمارا وجدان ہے۔ دونوں میں بھلا کیا جوڑ۔ تمھاری فکر تم کو پریشان کر دے گی۔ ہمارا وجدان انشاءاللہ اطمینان لائے گا۔ تم ظلمت میں ٹھٹک کر رہ جاؤ گے۔ ہم نور میں بحمد اللہ بڑھتے چلے جائیں گے ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

انسان کامل بالذات

ذیل کے اشعار :ـ

مقصدِ خلقِ جہاں مرأتِ اسماء و صفات　　زینت افزائے سریرِ افسرِ شاہانہ ہم
آفرینِ آفرینش زیبِ اورنگ شہی　　نورِ چشمِ صاحبِ خانہ چراغِ خانہ ہم

حقیقۃً صرف ذاتِ سامی صفاتِ حبیبِ خدا محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتے ہیں یعنی انسانِ کامل بالذات صرف حضرت ہیں

(۲) انسان کامل بالعرض ۔ انسان کامل بالعرض ہر زمانے میں رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پرتو سے آپ کی حقیقت کا خلیفہ و قائم مقام رہا ہے اور رہے گا۔

جب انسان کامل عالمِ شہادت میں باقی نہ رہے گا جو محلِ نظرِ الٰہی ہے تو قیامتِ کبریٰ ہو جائے گی۔

صاحب وحی ۔ نبی ۔ رسول

ہر شریف آدمی انعامِ منعم کا شکر۔ احسانِ محسن کا اعتراف لازم سمجھتا ہے۔ بادشاہ ماں باپ، شوہر کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے۔ یہ کیوں؟ بادشاہ۔ ماں باپ ۔ شوہر اس کی پرورش کرنے والے ہیں۔

تو کیا وہ رب العالمین واجب الاطاعت نہیں؟ جس نے ہم کو نیستی سے ہست کیا پالا پوسا۔ ہم امداد وجود میں جس کے ہر آن و ہر لحظہ محتاج ہیں۔ ہم اور بظاہر ہمارا جو کچھ ہے سب اس کا ہے۔

سپاہی کو سرکار عـــہ ماہوار دیتی ہے۔ تو ضرورت پر جان دینا اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ ضرورت پر ادائے فرض سے جی چرائے تو گولی مار دینے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ تو کیا خدا کی معرفت اور اس کے احکام کی اطاعت ہمارا فرض اولین نہیں؟ کیوں نہیں؟ باغی ہے وہ جو خدا کو خدا نہ سمجھے۔ مجرم ہے وہ جو اس کے احکام کی تعمیل و امتثال نہ کرے۔

کیا ہر شخص بادشاہ سے براہ راست احکام حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ درمیان میں ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جس کو بادشاہ سے قربت ہو۔

اسی طرح پیغمبروں کو خدا کی قربت بندوں کی صحبت رہتی ہے۔ جہت قرب الٰہی سے اخذ وحی کرتے ہیں اور جہت صحبت و معیت سے بندوں کو تبلیغ کرتے ہیں۔

ذرا غور کرو جمادات و نباتات کے درمیان یا حجر و شجر میں برزخ و واسطہ مرجان ہے۔ شجر و حیوان کے درمیان کھجور کا درخت یا لجالو ہے۔ حیوان و انسان کے درمیان مسٹر گوریلا یا بوڈاردن ہے۔ اسی طرح انسان و مجردات کے درمیان پیغمبر ہوتے ہیں پیغمبری کوئی کسبی شے نہیں۔ فطری و طبعی رتبہ ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کی فطرت اعلیٰ پیدا کرتا ہے

اللہ یعلم حیث یجعل رسلتہ ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

پیغمبر

پس پیغمبر یا رسول وہ عالی فطرت انسان ہے جو وحی الٰہی سے ممتاز ہوتا ہے۔ پیغمبر بے خطا۔ بے گناہ۔ معصوم۔ صادق اور امین ہوتا ہے۔ تاکہ تبلیغ الٰہی کی حجت خلق اور امت پر قائم ہو سکے۔ تاکہ پیغمبر کی دعوت اور اس کی تبلیغ و قبول میں سہولت و تقویت ہو۔ خدائے تعالیٰ اس کو معجزات عطا فرماتا ہے۔

کیا فرق ہے رسول و نبی میں؟ رسول صاحب شریعت تازہ ہوتا ہے اور نبی تابع

رسول۔ مگر ہوتا صاحب وحی الٰہی ہے۔

ولی مصلح ۔ ساحر

کیا فرق ہے مصلح قوم اور پیغمبر میں ؟ مصلح قوم صاحب عقل ہوتا ہے اور پیغمبر صاحب وحی مصلح کے مدنظر خیر دنیوی ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ پیغمبر کے توسط سے خیر دارین اور بہبودی دنیا و آخرت اور صلاح و فلاح عطا فرماتا ہے۔

کیا فرق ہے نبی و ولی میں ؟ نبی صاحب وحی ہوتا ہے۔ جو قطعی و یقینی امر ہے اور ولی صاحب الہام ہوتا ہے۔ جس کا قطعی و یقینی ہونا ضرور نہیں۔ وحی دوسروں پر حجت ہے اور الہام حجت نہیں۔ انکار وحی کفر ہے۔ انکار الہام فیض سے بدنصیبی ہے۔ نبی تحدی و دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ ولی کو دعویٰ ولایت ضرور نہیں۔

نبی و ساحر دونو سے خوارق عادت نمایاں ہوتے ہیں۔ پھر ان میں ما بہ الامتیاز کیا شے ہے؟ نبی صفات طیبہ و فضائل خصائل سے آراستہ ہوتے ہیں۔ امت کی فلاح دارین کے سوا ان کی ذاتی غرض کچھ نہیں ہوتی۔ فلعلک باخع نفسک علی أتارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا۔ مامور من اللہ ہوتے ہیں نسبت الی اللہ ان کی روئے تاباں سے ظاہر۔ ماھذا بوجہ کذاب دشمن بھی ان کو امین سمجھتے ہیں۔ اظہار معجزے میں نبی کے فعل کو دخل نہیں معجزہ خدائے تعالیٰ کا کام اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

بخلاف ساحر کے کہ اس کا مقصد اپنی ذاتی غرض رہتی ہے۔ قوم کی درستی و اصلاح سے اس کو کوئی غرض نہیں خدا سے اس کو کیا مطلب۔ آخرت سے کیا سروکار۔

غرض کہ چند چیزوں کا مجموعہ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ہے یا ساحر ہے۔

کیا فرق ہے سحر و معجزے و کرامت میں ؟ سحر میں ارواح خبیثہ یا ارواح نباتات یا ارواح نجوم سے مدد لینا۔ یا خود اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا ہوتا ہے۔ خیال

بڑی زبردست قوت ہے۔ اس کو ایک نقطے پر قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے سے بڑے بڑے عجائب رونما ہوتے ہیں عجیب و غریب تماشے نظر آتے ہیں۔

جس طرح نبی کے فعل کو معجزے میں کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح کرامت میں ولی کے فعل کو کوئی دخل نہیں۔

طے الارض یعنی تھوڑی مدت میں بڑا فاصلہ طے کرنا۔ اشراف علی الخاطر یعنی دلوں کے خطرے کہدینا۔ کچھ ماضی کچھ مستقبل کے واقعات کا بیان کردینا۔ توجہ نفس، قوت ارادی ول پور سے کسی کو بے ہوش کردینا۔ یہ سب ریاضت نفس اور کشف کونی کا نتیجہ ہے یہ تو ہپناٹزم، مسمریزم والے بھی کرتے ہیں۔ ان امور کو ولایت و قرب الٰہی سے کیا تعلق۔ اگر کوئی چیز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہو تو **ھذا من فضل ربی۔ فضل من اللہ و نعمۃ۔**

ریاضت بدنی کی مشق بڑھا کر نٹ اور سرکس عجیب و غریب کرتب دکھاتے ہیں اسی طرح یہ نفسانی سرکس یا پہلوان نفسانی قوتوں کو بڑھا کر ان کے کمالات دکھاتے ہیں۔ مگر اس کو خدا رسی سے کوئی علاقہ نہیں۔

ڈاکٹر سنڈو اپنے مذہب کے اثبات میں اپنی شہ زوری کے کرتب دکھائے تو کیا درست ہی؟

راما مورتی ہندو مذہب کے اثبات میں یہ پیش کرتا ہی کہ وہ ایک بہت بڑے پتھر کو سینے پر اٹھا لیتا ہی۔ ایک یہودی اپنے مذہب کی تائید میں کہتا ہی کہ مسلمانوں کے پاس دھرا کیا ہی مفلس، قلاش ہیں۔ اسلام حق ہوتا تو وہ یوں بدحال نہ ہوتے۔ دیکھو میں یہودی ہوں۔ کروڑپتی ہوں۔ خدا نے مجھے اتنی دولت دے رکھی ہی کہ مسلمان بادشاہوں کے پاس بھی نہیں ہے۔ دول یورپ عیسائی مذہب کی حقانیت پر استدلال کرتے ہیں کہ عیسائی مذہب حق نہ ہوتا تو دنیا کے ہم مالک نہ ہوتے۔ تمام اقوام

ہمارے سامنے سرنگوں نظر آتیں ہیں ہم نے ایشیا۔ افریقہ، امریکہ کے باشندوں کو اپنا غلام بنالیا ہے۔ ان کے دیوتاؤں کی ہماری مخالفت میں ایک نہیں چلتی۔ لاکھ چیختے ہیں چلاتے ہیں کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح نیچر پرست یا ناخداشناس بھی کہتے ہیں۔ بخت نصر نے یہودیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بت پرست بادشاہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا کیا مظالم نہیں توڑے۔ وتلک الایام نداولها بین الناس دنیا محل ابتلا ہے۔ نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاءً الامثل فالامثل۔

ثابت قدمی عشق کی اُن کو بھی ہو ثابت
وہ ظلم اگر کرتے ہیں بے جا نہیں کرتے
(حسرت)

یہ دنیا وما فیہا۔ معیار عزت ہی نہیں قل فللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین علم حق عبودیت معیار کمال ہے۔

اسپریچوئل۔ مسمریزم والے ہزارہا شعبدے دکھاتے ہیں۔ تو کیا ان کے تمام دعاوی باطلہ صحیح ہو جائیں گے۔ کیا وہ ولی یا نبی ہونگے۔ توبہ توبہ یہ سب کھیل تماشے ہیں۔ لہو ولعب ہیں۔ ان کو خدا طلبی، خدا پرستی سے کیا واسطہ۔ یہ سارے شیطان کے دھوکے ہیں فلا یغرنکم باللہ الغرور آئندہ دجّال سے سابقہ پڑنے والا ہے ایسے ضعیف الایمان لوگوں کا حشر اس وقت معلوم نہیں کیا ہوگا۔

عملیات پڑھکر۔ اشغال مقیدہ کرکے کسی کو کچھ نفع یا نقصان پہنچا دیا یا کسی کو کوئی اسم الٰہی پڑھکر مار ڈالا تو قطعاً یقیناً یہ بھی قتل نفس ہے۔ ایک شیرخوار بچے کو ایک بہت بڑی تقطیع کے سنگین قرآن مجید سے مار مار کر قتل کر ڈالا تو کیا قرآن شریف کا واسطہ قتل ہونا عذر ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

افسوس صد ہزار افسوس لوگ کھیل تماشوں نفس کے شعبدوں میں ایسے پھنس گئے

ہیں کہ ان کو خبر تک نہیں کہ ہم کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔ ہمارا فرض کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ہم کو اپنی عبدیت کے لئے پیدا کیا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون توحید اسلام کا فرض اولین ہے پھر توحید فی الارادہ اور اپنے آپ کو تحت ارادہ الٰہی کر دینا کدھر ہے۔ بندے ہو کر خدائی دعوے استغفر اللہ۔ ہائے ان مدعیان الوہیت کو بندگی کا مزا نہیں ملا۔ ورنہ خدائی کا دعویٰ نہ کرتے ؎

مجھکو مری بندگی مبارک
تجھکو تری شانِ کبریائی
(حسرت)

اپنے ارادہ سے کوئی اچھا کام کرنا قرب نوافل سے ہے۔ خدائے تعالیٰ کے تحت امر کام کرنا قرب فرائض سے ہے۔ انبیاء و مرسلین اور اولیاء و کاملین کے کام قرب فرائض پر مبنی رہتے ہیں۔ تمام عمر کے نوافل دو رکعت فرض کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس علم صحیح معیار کمال ہے۔ اعتقاد میں توحید۔ اعمال میں اخلاص۔ ہمارا سرمایۂ نجات ہے۔

ولایت بعض دفعہ قرب الٰہی کو ولایت کہتے ہیں۔ پس ولی اس معنے کے لحاظ سے انبیاء و اولیاء متبعین سے عام ہے۔

لہذا انبیاء میں دو جہت ہوتی ہیں (۱) جہت قرب الٰہی۔ جس سے اخذ وحی کرتے ہیں۔ (۲) جہت قرب خلق جس سے تبلیغ کرتے ہیں۔ پس الولایۃ افضل من النبوۃ کے معنے یہ ہیں کہ پیغمبر کی جہتِ حق جہت خلق سے افضل ہے نہ یہ کہ اولیاء تابعین انبیاء متوسلین سے افضل ہیں۔

عالم برزخ (الف) عالم برزخ کو عالم مثال ثانی اور قبر بھی کہتے ہیں

(ب) مرنے کے بعد سے قیامت تک کے عالم کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ یہ عالم گویا عالم قیامت کا مقدمہ ہے۔ عالم برزخ میں نیکوں کی حالت امیدواران سرفرازی

کی اور بدوں کی حالت مجرمانِ زیرِ دریافت کی رہتی ہے۔ لہذا نیک نیک حال میں اور بد بد حال میں رہتے ہیں۔

(ج) عالم برزخ والوں کو عالم شہادت والوں سے ایک حد تک ربط باقی رہتا ہے لہذا ان کو عالم شہادت سے فی الجملہ اطلاع رہتی ہے۔ مگر ان پر ایک قسم کی روک ٹوک بھی رہتی ہے۔ اپنا ماجرے صاف صاف بیان نہیں کرتے۔ اکثر اشارے کنائے سے کام لیتے ہیں۔ مرنے کے بعد برزخ والوں کو شہادت والوں کی خبر رہتی ہے۔ قبر پر آنے والوں کو السلام علیکم یا اہل القبور انتم سلف ونحن خلف وانا بکم ان شاء اللہ لاحقون کہنے کا حکم ہے۔ اہل قلیب بدر کے متعلق حضرت رسول مقبول نے فرمایا لستم باسمع منھم اگر سماع موتی نہ ہوتا۔ تو یہ سب کیوں ہوتا۔ اب رہا قبر سے متصل کھڑے رہیں تو وہ سنتے ہیں یا دو گز کے فاصلہ سے یا دو میل کے فاصلے سے۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ ہزارہا کوس سے خواب میں آتے ہیں گفتگو کرتے ہیں۔ اگر اہل قبور کا کہنا۔ سننا یا آنا عالم شہادت کے زیر اصول و نوامیس ہیں۔ تو ظاہر کہ اتنی گزوں مٹی کے نیچے سے تو سننا ممکن نہیں۔ بلکہ یہ سننا یا آنا اور ہی اصول و قوانین کے ماتحت ہے۔

ام سعد کے مرنے کے بعد حضرت کے حضور میں کنواں کھدوا کر وقف کیا گیا اور کہا گیا ھذہ لام سعد۔ اس سے ایصال ثواب اور ام سعد کی طرف نسبت ثابت ہے اسی کے ساتھ ساتھ چند اور مسائل پر بھی غور کر لینا ضرور ہے۔

شرک۔ غیر خدا کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ اس کی کسی صفتِ خاص میں شریک کرنا۔ خدائے تعالیٰ کی صفت خاصہ کیا ہے۔ وجود بالذات، وجوب بالذات، قیومیت خلق بمعنے اعطار وجود۔ ہمارے پاس تو کسی کمال کو کسی مخلوق کے لئے بالذات ثابت کرنا ہی شرک ہے۔ دوسری تمام نسبتیں مجازی ہیں۔ ہمیشہ اپنی توجہ و علم کو حقیقت کی طرف۔ منبع الجود اصل الوجود حق معبود کی طرف رکھنا چاہیئے۔ نسبت مجازی سے شرک لازم نہیں آتا۔

کسی کمال کو کسی مخلوق کی طرف نسبت کرنا بغیر اس کے کہ حقیقت کا خیال رہے۔ خواہ زندہ کی طرف، خواہ مُردہ کی طرف۔ ضرور قابلِ افسوس ہے۔ نہایت قابلِ افسوس حالت ہے۔ اُن لوگوں کی جو علم غیب کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ سمجھتے ہیں اور رسول مقبول کی طرف علم غیب کی نسبت کو شرک سمجھتے ہیں اور پھر شیطان کی طرف علم غیب کی نسبت کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ کیا یہ لوگ شیطان سے شرک کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان شاء اللہ علم غیب کا مسئلہ بھی کبھی تفصیل سے لکھوں گا۔ یہ لوگ افسوس کہ کفار و فساق کو نافع و ضار سمجھتے ہیں مگر بزرگوں کو نافع یا ضار سمجھنے کو شرک سمجھتے ہیں۔ شرک ہے تو سب سے ہے۔ نہیں ہے تو کسی سے نہیں۔ جب ان توحید کے لمبے چوڑے دعوے کرنے والوں پر مصائب آتے ہیں۔ تو خدا کو بھول کر فوراً کفار و فساق کی خوشامد اور طلب امداد کو دوڑتے ہیں۔ یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا ایاه ولا نشرک به شیئا۔

یہ اسباب پرست موحدین عبادت و تعظیم میں فرق نہیں کر سکتے۔ عبادت انتہائی پستی کا نام ہے وہ خدائے تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ کون کہتا ہے کہ ماں باپ کی تعظیم نہ کرو۔ واخفض لهما جناح الذل۔ پیغمبر کی تعظیم نہ کرو۔ لتعزروه وتوقروه۔ ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب

(د) برزخ کا حال اہل شہادت پر بہت کم منکشف ہوتا ہے عالم برزخ میں وہی لوگ رسائی پیدا کرتے ہیں جو دن میں ستّر ہزار دفعہ مرتے جیتے ہیں اکثر عالم مثال اولیا اہل شہادت و برزخ مل لیتے ہیں۔ مثلاً کشفِ مثالی یا خواب میں مگر وہ صورت اصلی نہیں ہوتی۔

(ہ) چونکہ برزخ بھی ایک قسم کا مثال ہے۔ لہذا اس میں اعمال متشکل ہوتے ہیں اور اعمال ہی کے مطابق ان کو صورت ملتی ہے۔ مثلاً غضب الٰہی آگ کی صورت میں نمایاں

ہوتا ہے۔ سود خوار دریائے خون میں غوطے کھاتا ہے، رشوت خوار کا بڑا پیٹ ہوتا ہے۔ اس میں سانپ بچھو حرکت کرتے رہتے ہیں غیبت گو انسانی متعفن گوشت کھاتا ہے صغائر کھٹمل مچھر پسوؤں کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ کبائر سانپ۔ اژدھا۔ مگرمچھ کی صورت میں جن اعمال نیک میں نقصان رہتا ہے۔ وہ انسانی صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ مگر بیمار ضعیف ناتواں۔ یا بدن پر۔ منہ پر زخم یا پھوڑے نکلے ہوں یا ہاتھ پاؤں ضائع۔ اسی طرح نیک اعمال کی بھی صورتیں ہیں۔

(و) کیا عالم شہادت میں اہل برزخ نظر آسکتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ نیک آزاد رہتے ہیں۔ لہذا وہ نظر آسکتے ہیں۔ مگر چوں کہ عالم شہادت ان کا مستقر نہیں۔ نہ ان کا جسد اس عالم کا ہے۔ لہذا زیادہ دیر تک ٹھیرتے نہیں جس طرح ہم زیادہ دیر تک ایک خیالی صورت کو قائم نہیں رکھ سکتے اور بد چوں کہ ایک قسم کے حبس میں ہیں۔ وہ البتہ عالم شہادت میں آ نہیں سکتے۔ وہ تو خواب وغیرہ میں بھی بمشکل آتے ہیں۔ مرے ہوؤں کا نام لے کر اکثر شیاطین و فاسق و کافر جن لوگوں کو دھوکا دیتے۔ اور گمراہ کرتے ہیں۔ زندہ جنات بھی عالم شہادت میں مشکل سے قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر رہیں تو ان کی عمریں بھی انسان کی عمر کی طرح مختصر ہوجائیں اور ان کو انسانی امراض لاحق ہوجائیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ جو لوگ مرتاض اور صاحب زور تخیل ہیں۔ وہ اگرچہ بد ہوں۔ قید ہوں۔ خیالی صورت میں کمزور دل کے آدمی کو یا مرتاض کو نظر آتے ہیں۔ کافر کفر کی تعلیم دیتا ہے۔ یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس اور مومن ایمان کی اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا۔

بعض مذہبی مادہ پرست کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ارواح کو عالم شہادت سے کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ نہ فاتحہ نہ درود۔ نہ ایصال ثواب نہ مولود۔ ان کو ذات بحت سے

تو علاقہ ہوتا ہی نہیں۔ ارواح طیبہ کی برکت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ ترقی پا کر پیغمبر کی تعظیم چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کی ترقی کا آخری درجہ دہریہ پن ہوتا ہی۔ اعوذ باللہ من الشیطان وخبثہ

عالم آخرت

رد عمل وعمل ہیں یکساں
نیکی ہو یا کہ ہو برائی (حسرت)

دنیا میں کوئی شے ضائع نہیں ہوتی۔ حرکت ہو یا سکون۔ نیکی ہو یا برائی۔ نہ فعل ضائع جاتا ہی نہ قول۔ عقل سلیم قبول وتسلیم نہیں کرتی کہ کوئی عمر بھر نیکی کرے اور تکلیف میں رہے۔ اور کوئی ساری زندگی ظلم وستم کرے اور عیش وعشرت میں رہ کر مر جائے کیا یہ دونو برابر ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ نیک کو جزا اور بد کو سزا ملنی چاہیئے۔ یہاں تو نہ ملی۔ ضرور ایک عالم ہی جس میں نیک کے ساتھ نیکی اور بد کے ساتھ اس کی بدی لپٹی رہے گی۔ موصوف کے ساتھ اس کی صفت۔ ملزوم کے ساتھ اس کا لازم ضرور رہیگا دنیا میں دنیا کے لوازم کے ساتھ تھا۔ آخرت میں اس کے اقتضا کے مطابق۔

آخرت میں تن کو عذاب ہوگا یا روح کو؟ دنیا میں تن کو تکلیف ہوتی ہی یا روح کو تن غریب بے ادراک ہی۔ اس کو کیا تکلیف ہوگی۔ تن کے توسط سے روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ آخرت میں آخرت ہی کے تن کے توسط سے روح کو عذاب ہوگا۔ قدیم تن تو رہا نہیں پھر اس نئے تن کو کیوں جلایا جاتا ہی۔ ۱۲ سال کے پیشتر ایک شخص نے کسی کو قتل کیا تھا تو کیا اس شخص کو اس وجہ سے چھوڑ دینا چاہیئے کہ اس کا جسد تحلیل وتبدیل سے نیا ہو گیا ہی۔ عذاب وثواب تو صاحب ادراک کو ہوتا ہی اور وہ روح ہی۔ مگر توسط تن کے کیا روح کو جو امر رب ہی۔ عذاب ہوگا؟ روح کو جو امر رب ہی۔ تکلیف پیدا ہوتی ہی؟۔ دنیا میں کون سی شے ہی جو امر رب نہیں ہی۔ کون سی شے ہی جو امر کن سے پیدا نہیں ہوئی اور مخلوقات سے نہیں، خواہ دفعی ہو خواہ تدریجی۔

کیا بدلوگ آخرت میں آگ میں جلیں گے ان کو سانپ بچھو کاٹیں گے؟

ہاں اُن کے اعمال کو وہاں مثل ہی ان صورتوں میں متمثّل ہونگے۔ کیا آخرت بھی ایک خواب وخیال ہی؟ - نہیں دنیا ایک خواب ہی۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہی۔ اس کی تعبیر آخرت میں دیکھنی ہوگی۔ اعمال کے اقتضاءات مختلف صورتوں میں نمودار ہونگے دیکھو دنیا میں چور چوری کرتا ہی۔ چوری کا اقتضا ساہوکار کا درد دل بنتا ہی۔ کوتوالی والوں کی شکل میں تلاش میں نکلتا ہی۔ چالان واستغاثے کی صورت لیتا ہی حاکم کی صورت میں سزا سُناتا ہی۔ ہتھ کڑیاں بیڑیاں بن کر لیتا ہی۔ بید بن کر پیٹھ پر پڑتا ہی۔ محبس بن کر قید کرتا ہی۔

شفاعت

کیا شفاعت حق ہی؟ اس سے تو گناہ بے کار جائے گا؟ کیا الحب فی اللہ ایک اعلیٰ عمل نہیں؟ کیا اس کا خالی جانا ممکن ہی؟ کیا کمزور اثر قوی اثر کے مقابل کالعدم نہیں ہوجاتا؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر ربط قوی ہوگا اسی قدر جلد نجات ہوجائے گی۔

کیا شفاعتِ پیغمبر کفارۂ جناب عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہ نہیں؟ کفارہ کے رو سے جناب معصوم عیسیٰ علیہ السلام نے خود عذاب بھگت لیا۔ جو **لا تزروا زرة وزر اخری** کے خلاف ہی۔ یہاں حب فی اللہ کی وجہ سے امید نزولِ رحمت الٰہی ہی۔

ہاں ان کو بڑی مشکل ہے جن کو رسول خدا سے محبت نہیں۔ ربط نہیں۔ اللھم انی اسألک حبک وحب من یحبک وحب عمل یقربنی الیک

دیدار الٰہی

کیا قیامت میں خدائے تعالیٰ کا دیدار ہوگا؟ - یہ تو اس کی تنزیہ ذات کے خلاف ہی۔ نہیں تشبیہ سے تنزیہ ذات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو النور کا پرچہ مضمون معراج۔ البتہ **وجوہ یومئذ ناضرة الی ربہا ناظرة** کے نہ ماننے والوں کو دیدارِ الٰہی نہ ہوگا۔ ان کے لیے

کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ہے۔ البتہ تمھارے ایمان۔ تمھارے عقیدے کے مطابق خدا کے تجلیات ہوں گی۔ والحمد للہ

حسرت جو مرے علم میں ہے جلوہ فگن آج
کل آئے گا وہ بن کے تماشا مرے آگے (حسرت)

محشر میں تو دیکھیں گے تجکو ترے شیدائی ⁘ کرتا ہے حیا کب تک او پردہ نشیں کر لے
(امیر)

نجات کیا دوزخ سے کفار کو رہائی ہوگی بھی؟

رہائی تو کبھی نہ ہوگی۔ مگر تخفیف عذاب کے متعلق صوفیہ کا اختلاف ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ احقاب یعنی زمانۂ عظیم گزرنے اور مکث طویل کے بعد خدائے تعالیٰ کا حب ذاتی غضب عارضی پر غالب آئے گا۔ قالوا بلیٰ کام آئے گا دوزخیوں پر ان کا عین ثابتہ منکشف ہوجائے گا۔ قدم رحمٰن دوزخ میں رکھے جائینگے قط قط کرے گی۔ سبقت رحمتی علی غضبی کا ظہور ہوگا۔ شجرۃ الجرجیر اُگے گا عذاب نعیم خاص سے مبدل ہوجائے گا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ جب عین ثابتہ میں علم ہی نہ تھا۔ دنیا میں نور ایمان پیدا ہی نہیں ہوا تو آخرت میں انکشاف کی کوئی صورت ہی نہیں۔ من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا۔ جہل دائمی کا نتیجہ عذاب ابدی ہے۔ خالدین فیھا ابدا۔ بدلنا ھم جلودا غیرھا الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔ بہرحال جس کو ایمان نہیں اس کو امان نہیں۔ اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک و بمغفرتک من عقوبتک و اعوذ بک منک۔ اللھم ارنی حقائق الاشیاء کما ھی

توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین

اعلان

حضرت الحاج مولٰنا مولوی محمد عبد القدیر صاحب مدظلہ کی دیگر تصانیف

* * *

المعارف حقائق قرآنیہ اور معارف اسلامیہ نہایت دلنشیں اور دلکش پیرایہ میں پیش کئے گئے ہیں اس میں وہ کل مضامین جمع ہیں جو رسالہ "النور" وغیرہ میں شائع ہوکر مقبولیت عام اور بقائے دوام حاصل کر چکے ہیں۔ قیمت عصہ ۴/

نسیم عرفان حضرت مدظلہ کا اردو فارسی منظوم کلام عرفان میں بسا ہوا ہی جس سے قلب کو روحانی مسرت اور ایمانی لذت حاصل ہوتی ہی۔ پھر ایسا سلیس اور شگفتہ ہی کہ خود بخود زبان پر چڑھ جاتا ہی۔ بلکہ دل میں اُتر جاتا ہی۔ قیمت صرف ۴/

ملنے کا پتہ

(۱) علی پاشا محلہ رکاب گنج حیدرآباد دکن
(۲) مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی، مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

کتب خانہ

جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس [illegible]

جامعہ کے [illegible] کتابیں [illegible]

۲۔ [illegible] کتابیں [illegible]

اور اراکین [illegible] کتابیں [illegible]

۳۔ طلبہ [illegible] کتابیں [illegible]

۴۔ [illegible] کتابیں [illegible]

۵۔ [illegible] کتابیں [illegible]

۶۔ مدت [illegible] کتاب [illegible]

۷۔ [illegible] کتاب [illegible]

۸۔ [illegible] کتاب کا ادا لازم ہے۔

۹۔ [illegible] کتابیں گم [illegible]

۱۰۔ [illegible] ہوگی۔

۱۱۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنانا [illegible]

۱۲۔ [illegible]

۱۳۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں

جاری نہیں کی جائیں گی فقط